خزینۃ البرکات

ترجمہ

وسیلۃ النجات

مترجم:

حضرت مولانا حکیم محمد مظہر الحق صاحب قنوجی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب جدید

مفتی محمد اسعد مظاہری ندوی

ناظم مدرسہ عربیہ کاشف العلوم قصبہ سانڈی، ضلع ہردوئی (یوپی)

شعبۂ نشرو اشاعت:

مدرسہ عربیہ کاشف العلوم محلّہ نواب گنج، قصبہ سانڈی، ضلع ہردوئی

تفصیلات

نام کتاب: خزینۃ البرکات ترجمہ وسیلۃ النجات

مترجم : حضرت مولانا حکیم محمد مظہر الحق قنوجیؒ

ترتیب جدید: مفتی محمد اسعد مظاہری ندوی
ناظم مدرسہ کاشف العلوم سانڈی، ضلع ہردوئی (یوپی)

کتابت : ایم۔انظار الحسن قاسمی (غوث گنج، ہردوئی)

سن اشاعت: ۱۹ نومبر ۲۰۲۳ء

ناشر: مدرسہ کاشف العلوم سانڈی، ضلع ہردوئی (یوپی)

تبرکات

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مظاہری مدظلہ العالی

خلیفہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہان پور

اس وقت میرے پیش نظر ایک قدیم کتاب ''**خزینۃ البرکات ترجمہ وسیلۃ النجات**'' کا جدید کمپوز شدہ نسخہ ہے، جسے عزیزم مفتی محمد اسعد مظاہری ندوی زیدلطفہ نے حضرت مولانا حکیم مظہر الحق صاحب قنوجی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب از سر نو طباعت، جدید رموز واوقاف اور املا کی رعایت اور جدید ترتیب کی سعادت حاصل کی ہے۔ جس میں عزیز القدر موصوف سلمہ نے بڑے ہی انہماک اور عرق ریزی کے ساتھ کتاب میں مذکورہ بالا اضافہ کیا ہے۔

علماء ہند کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے اپنے بڑوں کے کارنامون اوران کی خدمات کومحفوظ کرنے کی بڑی جدو جہد کی ہے، مقام مسرت ہے کہ عزیزم مفتی محمد اسعد سلمہ نے اس کتاب کی اہمیت اوراس کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ،قیمتی جواہر پارے سے امت کوروشناس کرایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ موصوف کی اس کاوش کوشرف قبولیت عطافرمائے ، اوراس کتاب کوقبولیت عامہ عطا کرے۔آمین

محمد طلحہ مظاہری غفرلہ

عرض مرتب

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بندۂ عاصی کو حضور اکرم ﷺ کے اسماء گرامی کی شرح و تفصیل سے مطلع فرمایا اور حضرت مولانا حکیم مظہر الحق صاحب قنوجی رحمۃ اللہ علیہ کی قدیم کتاب کی یافت کی توفیق میسر فرمائی۔

دراصل پیش نظر کتاب "**خزینة البرکات ترجمه وسیلة النجات**" حضرت مولانا حکیم مظہر الحق صاحب قنوجی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف ہے، یہ کتاب ناقابل استفادہ تھی، خاکسار کے ناقص علم کے مطابق اس کا مطبوعہ نسخہ مؤلفؒ کے پڑپوتے جناب تنویر صاحب کے پاس موجود تھا، میری ملاقات موصوف محترم سے ہوئی، واضح رہے کہ یہ ملاقات کا تسلسل درازتر ہوتا چلا گیا، الحمداللہ اب بھی بہتر مراسم ہیں۔

انہوں نے یہ کتاب میرے حوالے یہ کہہ کر دی۔ اب آپ اس کو شائع کردیں، اس کتاب کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اہل خانہ نے اس کی ازسرنو اشاعت کا ارادہ کیا، تنویر بھائی نے اس کتاب کو میرے حوالے یہ کہہ کر دیا کہ اس کتاب کو آپ چھپوائیں گے، ہم نے ہامی بھرلی، تصنیف وتالیف، تحقیق وترتیب، یہ نازک ترین مراحل ہیں، تصنیف وتالیف جیسے نازک صنف سے میرا پہلا کام ہے۔

بہرکیف! اس کتاب کا مطالعہ کیا، کتاب کی اہمیت ، وقعت، افادیت اور حضور ﷺ کے اسماء گرامی کی تفصیل سے آگاہی ہوئی، اس لیے راقم کے دل میں یہ

جذبہ پیدا ہوا کہ کتاب قابل استفادہ کی جائے؛ چنانچہ جدید رموز واوقاف اور نئے الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔

اس موقع پر بڑی ناسپاسی ہوگی اگران حضرات کاشکریہ نہ ادا کیا جائے، جنھوں نے ہرطرح کا تعاون پیش کیا، بالخصوص عزیز القدر مفتی محمد جنید قاسمی استاذ مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم گنج مرادآباد، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مظاہری قنوجی زیدمجدہم، جناب محمد تنویرالحق صاحب اور حضرت مولانا عبدالرقیب صاحب مظاہری زیدلطفہ، محمد ذیشان صاحب ممبئی و دیگر احباب کا جنھوں نے حوصلہ دیا اور ہمت افزائی کی، اول الذکر نے مفید مشوروں سے نوازا، ثانی الذکر نے پروف ریڈنگ کی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دی۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کوشرف قبولیت سے نوازے، اورامت کے حق میں نافع بنائے۔آمین

محمد اسعد مظاہری ندوی
خادم مدرسہ عربیہ کاشف العلوم نواب گنج
سانڈی، ضلع ہردوئی
۹؍ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ
مطابق ۲۵؍اکتوبر ۲۰۲۳ء

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وثنا اسی خالق یکتا کو زیبا ہے جس نے ہمارے سینوں کو اسمائے گرامی رسول پاک، بہترین خلائق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح کرنے کو کھول دیا اور اپنے حبیب کے صفات کو ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور صلاۃ وسلام اس ذات جامع کمالات پر کہ برکت پیروِی سنت ان کی قرب خدائی، علو ومقام حاصل ہوتا ہے اوران کے جملہ آل واصحاب کرام پر رحمت خدا نازل ہو۔

اے طالب سعادت معلوم کر کہ یہ کتاب جامع برکات جس کا نام 'وسیلۃ النجات'' شرح اسماء صفات حضور سرور کائنات خلاصۂ موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، بندۂ گنہگار بے بضاعت نے بامید نجات آخرت و بطلب مغفرت صاحب شفاعت اس کو تالیف کیا ہے، برادران اہل ایمان، صداقت شعار سے امیدوار ہے کہ ننانوے نام اسمائے حسنیٰ خدا وند تعالیٰ پڑھ کر اسمائے صفات محمدی مندرجہ کتابِ ہٰذا کے پڑھیں اوراپنی زبان کو ان مبارک ناموں سے تازگی بخشیں۔

واضح ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے ناموں کی کثرت سے جو کہ جمالی، جلالی، کونی (متعلق بہ خلق وایجاد الٰہی، متعلق بہ تنزیہ ذات) ہیں، بزرگی شان پرور دگار چشم بصیرت حق بیں میں ظاہر وآشکار ہوتی ہے، اسی طرح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ناموں سے رفعت شانِ محمدی و بلند مقام احمد عیاں ہے اور صاحبان عقل و دانش اس سے بہرہ یاب ہوتے ہیں، ان اسمائے گرامی کے برکات بے شمار خارج از

حد بیان ہیں، ’’لایمکن الثناء کما کان حقه ☆ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر‘‘ کسی کی مجال جو آپ کی ثنا و توصیف کر سکے، قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد بس آپ ہی بزرگ ہیں۔

ان ناموں کا ورد زبان رکھنا تمام بلاؤں، آفتوں کے دفع کرنے میں مجرب ہے، اور تلخی سکرات موت و سختی جان کندنی میں از بس مفید۔

اب اسمائے نامی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ذکر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق خیر دینے والا اور مددگار رہے، دلائل الخیرات میں ہے کہ آپ کے نام دوسو ایک ہیں اور ہر ایک نام سعادت انجام ہے، خداوندا اپنی رحمت کاملہ اور سلامتی، سردار انبیاء پر جس کا نامِ مبارک **محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، نازل فرما، اس نام پاک کے معنی یہ ہیں، بارگاہِ الٰہی کے تعریف کیے گئے (یعنی خدائے پاک نے آپ کی تعریف کی ہے)

یہ لفظ مبارک تحمید سے مشتق ہے، تحمید کے معنی پے در پے اور بہت تعریف کرنا، کہتے ہیں کہ محمد آپ کا خطاب ہے جو بارگاِ رب العزت سے مہر نبوت، خلعت رسالت و براق، برق رفتار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اس اسم شریف کی توصیف میں فرماتے ہیں، اور ان اشعار کا ترجمہ نظم میں یہ ہے:

قلم نے جو نامِ محمد لکھا — جہاں میں یہ رتبہ اس کو ملا
کہ میم محمد کا پڑکا بنا — لیا اس نے اپنی کمر سے لگا
یہ میم محمد کی برکت سنو — عدم کا جدا سر ہوا دوستوں
مَلَکْ اور مَلِک کا یہی سرتاج ہے — دو عالم میں عزت اسے آج ہے
بھلا کس سے ہو رازِ حق کا بیان — کرے لاکھ کوشش بحد و توان
خرد بھی اس سے نہ آگاہ ہے — صدا برزبان حاش للہ ہے

یہ حی کی ہے برکت زمین و سما　　ملائک و کرسی و عرش خدا
منور ہوئی ساری دنیا جہاں　　کہاں تک ہوں اوصاف اس کے بیاں
ہوا دال پر نامِ نامی تمام　　اطاعت لگے کرنے سب خاص وعام

حدیث میں آیا ہے کہ یہ نام نامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے، اولادِ آدم علیہ السلام میں آپ کے سوا کسی کا یہ نام نہ ہوا، توریت وانجیل میں ہے کہ رسول آخرزماں پیدا ہوں گے اوران کا نام پاک محمد اوراحمد ہوگا، ان کتابوں میں بجائے احمد کے لفظ فارقلیط مذکور ہے، جس کا حاصل معنی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غایت وغرض تکوین عالم اورسرگروہ جملہ اولادآدم میں **''احمد''** زیادہ تعریف کیے گئے، یعنی قرآن مجید و دیگرآسمانی کتابوں میں حق جل شانہ نے آپ کی تعریف کی، آپ کے اخلاق مرغوب و عاداتِ خوب ذکرفرمائے، بلکہ تمام مخلوقات ذرہ ذرہ حیوانات، نباتات، جمادات یہ سب صاف صاف بزبان فصیح آپ کے کمالات ظاہر کرنے میں سرگرم وترزبان ہیں، اورمضمون آیت کریمہ **''وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ''** کوئی چیز نہیں مگرخداوند پاک کی حمد وتعریف کی تسبیح ادا کرتی ہے، یہ وصف خاص بارگاہِ ایزدی ہے مگرسردار بنی آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کہ خلیفہ الٰہی ہیں) کی شان میں پورا کردکھایا، اوراللہ تعالیٰ نے حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کے پیدا کرنے سے چند ہزار برس پیشترآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارمحامد کوکلمہ طیبہ **''لا الہ الا اللہ محمدرسول اللہ''** قلم قدرت سے عرش، کرسی، لوح محفوظ پرلکھ دیا اورتمام بندگانِ خدا کے آگاہ کرنے کوزبانی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے پیغامِ بشارت **''اِنِّیْ مُبَشِّرٌ بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِ اسْمُهٗ اَحْمَدُ''** (اےلوگو! میں بشارت دینے والا اورمژدۂ جانفزا پہنچانے والا ہوں ایک پیغمبر کا جومیرے بعدآئے گا اورنام

اس کا احمد ہوگا) پہنچا دیا۔

مشعل سے جن کے موسیٰ ہیں روشنی کے طالب
مژدہ رساں ہیں عیسیٰ تشریف آوری کے

پوشیدہ نہ رہے کہ ”أنا احمد بلا میم و انا عرب بلا عین“ (میں احمد بے میم اور عرب بے عین ہوں) یہ دو جملہ بعض کتب صوفیہ میں مذکور ہیں وہ اس کو حدیث کہتے ہیں، مگر صحیح حدیثوں کی کتابیں اس سے خالی ہیں، کسی معتبر کتاب میں اس حدیث کا ذکر نہیں، اسی واسطے بعض علماء اس کو حدیث موضوع میں شمار کرتے ہیں؛ لیکن اس کی توجیہ اس طرح ممکن ہے کہ لفظ احمد سے جب میم دور ہو ”احد“ باقی رہا، اور احد بھی منجملہ اسمائے گرامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس کے معنی ایک، یکتا، عبدیت و رسالت میں لاثانی و دیگر مراتب وکمالات میں مگر یہ کمالات مراتب الوہیت وخدائی سے جدا ہیں، اگر کوئی اس احد سے خدائے یگانہ و یکتا سمجھے وہ عارف کامل نہیں، بلکہ صریح احکامِ آیات واحادیث کا منکر ہے (اس عقیدے والے کا اسلام کب رہ سکتا ہے) ایسا شخص مثل نصاریٰ کے بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماننے والا ہے، (ایسے صوفی سے خدا کی پناہ اس نے تو)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ ہدایت خلق کے واسطے مبعوث ہوئے اور معنی قل ہو اللہ احد ثابت کرنے کو ہادی بنائے گئے، دھبہ لگایا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بندہ اور عابد مالک حقیقی ہونے کے بارے میں فرمایا ہے ”انا اخشاکم اللہ و اتقاکم لہ“ میں تم سب میں خدائے کریم سے بڑا ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں، ”لاتطرونی کما أطرت النصاری فی حق عیسیٰ بن مریم قولوا لی عبد اللہ و رسولہ“ (صحیح بخاری) میرے حق میں وہ بات بڑھ کر نہ کہو جو نصاریٰ

حضرت عیسیٰ بن مریم کی شان میں کہتے ہیں؛ بلکہ مجھ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو، یہ بھی حضور کا ارشاد فیض بنیاد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان مبارک سے عظمت وجلال بارگاہِ کبریائی اور ہول روز محشر کا بیان آیت کریمہ میں ''مَا اَدْرِیْ مَا یَفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ'' (مجھ کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ (آخرت میں) کیا معاملہ پیش آئے) کس طرح بیان فرمایا ہے، اور آپ کے حسن توحید پر تو قرآن واحادیث میں صاف صاف روشن دلائل مذکور ہیں، باوصف ان دلائل کے احمد کو احد (یعنی خدا) جاننے والا صوفی (بدولت اس بدعقیدہ کے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رخنہ انداز کارخانہ خدائی سمجھتا ہے (اور آپ کی طرف ایسے کلمات واہیات منسوب کرتا ہے ''العظمة لله''۔

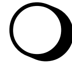
''مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَمَا عَرَفْنٰکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ'' (خدا وندا! ہم نے تیری عبادت جیسا اس کا حق ہے نہ ادا کی اور نہ تیری معرفت کما حقہ ہم کو حاصل ہوئی، جناب خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کا ارشاد ہے، باوجود اس کمالِ رتبۂ رسالت وعبدیت ومعرفت کے کس طرح آپ دعویٰ خدائی کا فرماتے ہیں، کلمہ ''انا عرب بلا عین'' بھی موضوع ہے، حدیث نہیں اور برتقدیر صحت ''رب'' بمعنی صاحب (مالک) ہے، اگر چہ رب آپ کے اسمائے گرامی میں نہیں ہے؛ لیکن بمعنی صاحب آپ کو کہہ سکتے ہیں، نہ بمعنی پروردگار حقیقی، کیونکہ آپ کی شان ہدایت وارشاد ہے، آپ کی ذات ستودہ صفات سے از بس بعید ہے کہ دعویٰ خدائی کریں اور ادھر حدیث شریف ''اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَأَحْسَنَ تَأْدِیْبِیْ'' (میرے خدا نے مجھ کو ادب دیا اور اچھا ادب سکھایا) زبان سے ارشاد فرمائیں۔ (سبحان اللہ یہ کیسے ممکن ہے)

بعض حضراتِ صوفیہ اس حدیث شریف ''مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ فَإِنَّ

الشَّیۡطَانَ لَایَقۡدِرُ اَنۡ یَتَمَثَّلَ بِیۡ" (جس نے مجھ کوخواب میں دیکھا،حق تعالیٰ کو دیکھا؛ کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا) کے معنی میں خبط بیجا کرتے ہیں، حق کے معنی اس جگہ اور واقعی کے ہیں، یعنی مجھ ہی کو دیکھا، شیطان کو قدرت نہیں کہ میری صورت میں ہو کر ظاہر ہو، ان دونوں میں کس قدر فرق ہے، علی ہذا القیاس آیت کریمہ "وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی" (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! (کفار پر) سنگریزی نہ ڈالے بلکہ خداوند تعالیٰ نے ان پر کنکر برسائے، آیت کریمہ "وَالَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ" (اے محمد! جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے آنخضرت کے ہاتھ کو جو بوقت بیعت مسلمانان ان کے ہاتھوں پر تھا، اپنے ہاتھ سے تعبیر کی اور سوا ان دو آیات کے دیگر آیاتِ کثیرہ ہیں جو کہ کمال شرف وعزت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر دال ہیں، امثالِ آیات مذکورہ میں خدائے کریم نے آنخضرت علیہ الصلاۃ والسلام اپنے خلیفہ و نائب کو رتبہ وشرافت اپنی ذات پاک کا عطا فرمایا، بلا شک بغیر اس کمال عنایت کے انتظام امور دین و بندو بست سلطنت خداوندی روی زمین پر ممکن نہ تھا؛ کیونکہ حاکم بھیجنے والا منصب رکھتا ہے اور اس کو زیبا ہے کہ اپنے ماتحت بندوں کو حکم کردے کہ یہ ہمارا نائب، ہمارا بھیجا ہوا، بندہ جو تمہارے پاس آیا ہے اس کو بجائے ہمارے تصور کرو اور اس کی اطاعت سے سر مو تجاوز نہ کرنا، اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص خدا کی طرف سے رہنمائی پر مامور ہیں اور تمام افرادِ بنی آدم پر آپ کی پیروی واجب ولازم ہے، بغیر اقتداء اور اتباع آپ کے کوئی عبادت وریاضت مقبول نہیں بلکہ بالکل ضائع وبرباد ہے۔

یہ کیسے ہے ممکن کہ راہِ صفا ☆ کوئی چل سکے آپ کو چھوڑ کر

پس مضمونِ حدیث ”مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ“ (سنن ابی داؤد: ۴۸۱۱) (جس نے بندوں کا شکر نہ ادا کیا وہ خدا کا شکر کیا ادا کرے گا، آنحضرت کی شکر گزاری اور ایسی عارف ربانی کی قدردانی اور آپ جیسے شکر گذار انعامِ الٰہی کا احسان ماننا ہر فرد بشر پر واجب وضروری ہے۔



حَامِدٌ

پروردگارِ عالم کی ثناء وتوصیف بیان کرنے والے۔

اس کے انعامات واحسان کے پوری طرح شکر گذار ہیں، کبھی زبان سے اس کے احسانات کا شکر ادا فرماتے، کبھی ادائے ارکانِ عبادت وصورت حال سے حامد و شاکر ہوتے ہیں۔

جس کے ہر بال سے ہو ذکر خدا کا جاری
وہ ہی قابل ہے کہ کرے حمد جنابِ باری

جاننا چاہیے کہ حمد زبان سے ادا ہو، خواہ اعضاء سے (جیسے عبارت میں) یا دل و جان سے بجملہ اقسام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم - رات ودن - بلکہ ہر وقت ہر ساعت حمد الٰہی میں مصروف رہتے اور تمام اوقات شبانہ روز یہی شغل حضور کا تھا، اور بعد تصفیہ و تزکیۂ باطن کے ہر شخص اپنے اور بیگانے کو حمد باری تعالیٰ کی وصیت ونصیحت فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو شخص کلمہ مبارک ”سبحان الله و بحمده“ ہر روز سو بار کہتا رہے گا، روزِ قیامت خدا کے دربار میں افضلِ اعمال کا توشہ ساتھ لیے ہوئے حاضر ہوگا۔

دوسری حدیث ہے: دو بول زبان پر ہلکے، پلۂ ترازو میں بھاری (یعنی میزانِ اعمال) خدائے رحمٰن کے نزدیک بہت پسندیدہ ومحبوب ہیں "**سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم**" نیز حدیث میں وارد ہے کہ یہ کلام فرشتوں کا ذکر ہے (ان کا ہر وقت کا وظیفہ ہے) اور یہی ارشاد ہوا ہے "لا الہ الا اللہ" افضل ذکر ہے اور سورہ فاتحہ یعنی "**الحمد لله رب العالمين**" تا آخر دعاؤں میں افضل ہے، اور حدیث قدسی میں ہے: حق تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور بندہ کے درمیان نصفا نصف بانٹ لیا وہ جو مانگے گا میں دوں گا، بندہ کہتا ہے: **الحمد لله رب العالمين**، حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد کی، جب بندہ کہتا ہے: **الرحمن الرحيم**، اللہ جل شانہ فرماتا ہے، میرے بندے نے میری ثنا کی، پھر جس وقت بندہ "**مالک یوم الدين**" کہتا ہے، ارشاد ہوتا ہے، میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب بندہ کی زبان پر "**اياک نعبد و اياک نستعين**" آتا ہے، اللہ پاک خطاب فرماتا ہے: اے بندہ! بس میرا تیرا یہی قول وقرار ہے، (اس پر قائم رہنا) تو جو کچھ مجھ سے طلب کرے گا میں دینے والا ہوں، پھر جب بندہ "**اهدنا الصراط المستقيم**" تا "**ولا الضالين**" پڑھتا ہے، حکم ہوتا ہے، میرے بندے کو یہی ہدایت نصیب وروزی ہوگی اور وہ منھ مانگی اپنی مراد پاوے گا یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔

فائدہ: خدا کی دی ہوئی انمول چیزیں: ہاتھ، پاؤں، جان، مال و جملہ اسبابِ دنیوی، ان کا شکر ادا کرنا اور اس کی حمد وثنا اسی کا نام ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمت ان کے کام میں صرف کر دو، مثلاً ہاتھ عطا فرمائے، اس نعمت کا شکر یہی ہے کہ کسی عاجز و بے کس بندۂ خدا کی مدد کرو، اس کو کچھ دو، پاؤں عنایت ہوئے ہیں، ان سے چل کر مسجد میں جاؤ، اس کی عبادت کرو، مقاماتِ متبرکہ (حرمین شریفین) کی زیارت کا سفر کرو، آنکھوں سے قرآن شریف و کتب احادیث دیکھو، کانوں سے کلام اللہ وحدیث رسولِ

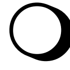
خدااوراولیاءاللہ کاذکرسنو،علماءوفضلاء کے وعظ سے اپنے کان ہوشیاروخبردار بناؤ،خدا کی دی ہوئی امانت کبریٰ جان اس کی راہ میں فدا کرڈالو، درجۂ شہادت کے آرزومند رہو، یہ ان نعمتوں کاشکر ہوا، جوتمہارے بدن وجسم کے اندرودیعت رکھی ہیں،اب ان اشیاء پرسرسری نظرڈالو جوتمہاری پرورش انتظامِ معاش گویا کہ تمہاری خدمت کے واسطے بنائی ہیں، جیسے سات آسماں،فلک البروج، طبقاتِ زمین، چاند، سورج، ستارے، ہوا، ابروغیرہ پیدا کرکے تمہارے کام میں لگادیئے ہیں،ان نعمائے الٰہی کا شکر یہ ہے کہ اس کے بندوں پرمہربان رہو،فقیروں مسکینوں کودوست رکھو،تم کوجوعلم و فضل عطاہواہےاس کاشکراس طرح ادا کروکہ لوگوں کوفائدہ پہنچاؤ،تعلیم علم میں بخل نہ کرو، نیک کاموں کی تاکید برے فعلوں سے ممانعت کرتے رہو، اور خودبھی اس علم پر عمل کرو؛ کیونکہ علم بےعمل درخت بےپھل اورسیپ بغیرموتی کے ہے۔

حدیث شریف میں آیاہے کہ ”**العلم بدون العمل وبال، والعمل بدون العلم ضلال**“ عمل بغیرعمل کے باعث وبالِ دارین ہےاورعمل بدون علم کے سراسرگمراہی ہے؛ کیونکہ عامل جاہل بوجہ علم نہ ہونے کے حق وباطل میں فرق نہیں کرسکااورشیطان کے جال میں قید ہوجاتاہےاورکبھی غروروجہالت کے سبب جاہل سے کفرصادرہوتاہےجس کانتیجہ نارِجہنم ہے۔

طلب علم میں مانندشمع کے گھل جا ☆ کیونکہ بےعلم کے پہچانِ خدامشکل ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ”**مااتخذ الله وليا جاهلا قط**“ اللہ جل شانہ نے کبھی کسی جاہل کوولی نہیں کیا، کیونکہ نادان کی دوستی سے دل کورنج پہنچتا ہے، پس جس کوظاہری علم بالکل نہ ہواورولایت ومعرفتِ الٰہی کادعویٰ کرے وہ خودگمراہ ہےاور دوسرے بھی اس کےقول وفعل کی پیروی میں راہِ حق چھوڑکرکفروزندقہ میں مبتلا ہوں

گے، اور برکاتِ ایمان واتباع شریعت محمد سے محروم رہیں گے (خدا ہم مسلمانوں کو ایسی گمراہی سے بچائے)



مَحْمُوْدٌ

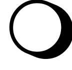
دنیاوآخرت میں کمالاتِ ذاتی وصفاتی کے ساتھ تعریف کیے گئے۔

آپ کی تعریف کرنے والے خداوند تعالیٰ شانہ، فرشتے اور اللہ کے بندے ہیں، اوران میں حضراتِ انبیائے کرام، اولیا واصفیائے عظام بھی داخل وشامل ہیں، اورکلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' بھی درحقیقت مشتمل برنعت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے؛ کیونکہ اس کلمہ میں بوصف رسالت جوکہ اعلیٰ واعظم درجاتِ دنیا و آخرت ہے، آپ کی تعریف ہے، نیز محمود ایک مقام عالی ہے جس کا ذکر آیت کریمہ ''عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَحْمُوْدًا'' قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود میں کھڑا کرے، میں ہے، قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عاصیانِ محمد کی شفاعت کرنے اس مقام پر کھڑے ہوکر اس خالق بے نیاز کی بارگاہِ عزت میں بہت کچھ حمد وثنا کریں گے اور سربسجدہ ہوکر گنہگارانِ امت کے حق میں ہول وخوف محشر وآتش دوزخ سے نجات کی درخواست کریں گے، جنت میں داخل ہونے کے واسطے عرض کریں گے، اس وقت لواء الحمد حضور کے پاس ہوگا، یہ ایک بڑا جھنڈا ہوگا، آپ کی عزت وعظمت کے لائق، وضیع وشریف عام وخاص امتیانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سایے میں ہوں گی۔

حدیث شریف: ''آدم من دونہ تحت لوائی'' آدم علیہ السلام اوران کے سوا ان سے کم درجہ والے میرے جھنڈے تلے ہوں گے، اسی جھنڈا کی صفت و

رفعت شان میں ہے۔

نام آپ کا محمد، محمود ہے مقام ☆ کس کا ہے ایسا نام، کس کا ہے یہ مقام

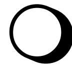


اَحِیْدٌ

دوزخ کی آگ کو اپنی امت مرحومہ سے الگ کرنیوالے۔

یہ نام مبارک توریت میں مذکور ہے، عربی زبان نہیں۔

اے برادر آگاہ ہو کہ خدائے وحدہ اور اس کے رسول جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا موجب نجاتِ آخرت ہے، اور جو مرد ایماندار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر اور آپ کی محبت میں اپنا دل و جان نثار کرے، سچے اور پکے دل سے حضور کو دوست رکھے اس پر دوزخ کی آنچ حرام ہے اور جب تم انہیں کے ہو جاؤ گے اور ان کی بارگاہ عالی جاہ کے نسبت کرنے والوں میں داخل ہو گے، تمہاری سب مشکلیں آسان اور جنت الفردوس و بہشت بریں تمہارا مکان دلچسپ سیرگاہ ہو گی، دوزخ تمہارے نور سے محترز بزبان صدق مضمون حدیث "جر یا مؤمن فإن نورک اطفانی لھبی" اے مرد مومن جلد تر پل صراط سے گذر جا، تیرا نورِ اسلام میرے شعلہ کو بجھائے دیتا ہے، ادا کرے گی۔



وَحِیْدٌ

یگانہ و یکتا (بے مثل، بے نظیر)

یعنی صفات کمال حسن و جمال، سیرت، خوب صورت مرغوب میں کوئی آپ کا ہمسر و مد مقابل نہیں ہے۔

خوبیٔ حسن میں یکتا ہیں، ہنر میں کامل ☆ پاک دامن ہیں تو خاصانِ خدا میں افضل

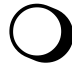
جامع فضائل وکمالات ہونا، اس باب میں حق تعالیٰ نے ذاتِ ستودہ صفات کو سب سے ممتاز کیا اور جو کچھ اوصاف پسندیدہ تمام انبیاء کرام کو فرداً فرداً عطا ہوئے وہ بتمامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم وجان میں امانت تھی، یعنی حسن و جمال ظاہری وکمال باطنی جس کو مکارمِ اخلاق کہتے ہیں، ہمارے سردار نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ یدِ بیضا داری ☆ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کے مصداق ہوئے، کسی اہل دل نے کیا خوب لکھا ہے:

روشن ہیں تیرے رخ سے انوارِ شہود ... لاشک ہے وہ آئینہ اسرارِ وجود

ہے ذاتِ بزرگ دو جہاں میں یکتا ... اس واسطے ہے نظیر اس کا مفقود



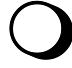
مَاحٍ

گنہگاروں کے گناہ مٹا دینے والا۔

اپنی شفاعت اور خدائے کریم ورحیم کی بخشش سے یا آپ بصفت عفو متصف ہیں، آیت کریمہ "خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ" (اے محبوب! عفو تقصیرات اختیار کیجئے، بھلائی ونیکی کے ساتھ حکم دیجئے اور جاہلوں کی جہالت سے روگردان ہو جایئے) اس پر آپ کا عمل تھا، بدی کا بدلہ نیکی ہی سے فرماتے اور آئینہ صاف سینہ مبارک کو غبارِ کینہ سے پاک رکھتے، جاہل ودشمنوں کی ایذا رسانی، ان کی طعن وتشنیع پر صبر وتحمل اختیار کرتے تھے۔

چہ بلاہا کہ ازآں سہ دل زارم نکشید
اللہ اللہ چہ دل زار بلاکش دارم

اس نام پاک کے یہی بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ کی ذات بابرکات نے علامات وآثار کفر ورسومِ جاہلیت جزیرۂ عرب سے بالکل مٹا دیئے اور بجائے اس کے مضبوط اسلام قائم کر کے تمام ملک اسلام آباد کر دیا۔



حَاشِرٌ

قیامت کے روز سب کو میدانِ محشر میں جمع کرنے والے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف سے باہر تشریف لائیں گے، اور سب کو اکٹھا کریں گے۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح جملہ عالم و بنی آدم حضور سرورِ کائنات کے وسیلہ سے پیدا ہوئے اور آپ باعث خلق وایجاد عالم ہیں، اسی طرح دوبارہ زندگی اور سب کا یکجا مجتمع ہونا جس کو ''معاد'' کہتے ہیں، مثلاً اعمال نیک و بد کی جزا وسزا، نعمات ودرجات بہشت پانا، دیدارِ الٰہی وغیرہ دیگر امور آخرت، کہ یہ سب باتیں اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم اوریقینی شدنی ہیں، آپ ہی کے واسطے سے ہوگا۔

دوسری حدیث ہے کہ ''کما تعیشون تموتون و کما تموتون تبعثون'' جس حال میں زندگی بسر کرتے ہو، اسی پر مروگے اور جیسے مروگے (یعنی جس خیال وعقیدہ پر یا جس شغل میں) ویسے ہی قیامت کے دن اٹھوگے۔

عمل نیک کرو کیونکہ روزِ جزا ☆ ترا حشر اسی شکل پر ہوئے گا

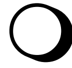
لہٰذا ہر مرد مسلمان صاحب ایمان کو لازم و واجب ہے کہ روز قیامت کے حساب وکتاب اعمال، ترازو، پل صراط، اعراف، جنت، دوزخ، گرمیٔ آفتاب، قیامت جس کی پیاس کوثر کے پانی کے سوا دوسری چیز نہیں بجھا سکتی، ان سب باتوں پر

ایمان لائے اور اپنے دل کے میدان کو وہم وشبہ کے خس وخاشاک سے پاک وصاف رکھ کر نماز، روزہ، زکاۃ، صدقات، خیرات بشرط مقدرت حج کعبہ ادا کرنا، روضۂ پاک حضور سرورِ عالم کی زیارت سے مشرف ہونا، ان نیک اعمال میں اپنی زندگی بسر کرے اور دنیا سے سرمایۂ سعادت دائمی لے کر دارِ آخرت کا راہی ہو، ملحد و زندیق جو احوالِ آخرت خوف وہول قیامت جزاء اعمال کے منکر ہیں، ان کے بہکانے پر نہ جائے اور راہِ راست سے منھ نہ موڑے، کیونکہ ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' آخرت پر ایمان لائے ہیں، مؤمنین کی شان میں وارد ہے، جس نے آج دنیا میں سچے دل سے امورِ آخرت کو مانا اور حق جانا، کل قیامت میں ثواب بے حساب پاوے گا اور جو کوئی شرارتِ نفس شریر اور اغوائے شیطانی سے آج ان امور کا منکر ہوا کل گرداب خسارت میں پھنس کر نادم و پشیمان ہوگا اور جب وقت نکل گیا، پشیمانی سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا، ایسے شخص کے حال پر آیت کریمہ شاہد ہے: ''یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا یَا وَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا'' (اور جس دن کافر ظالم، بے دین و (نافرمان بندہ) ندامت سے اپنے ہاتھ کو کاٹ کر کہے گا (ہائے مجھ کو کیا ہوا) کاش میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راہ چلتا، کاش میں فلانے کو (کافروں یا شیطان کو) جانی دوست نہ بناتا۔

اے عزیز! ہرگز یہ خیال نہ کر کہ دنیا میں اگر چہ کھیل وکود میں اپنا نقد عمر گراں مایہ صرف کر دیا، اور تمام عمر ممنوعات شرعیہ میں مشغول رہ کر آخر کار گناہوں کا انبار سر پر دھرے دنیا سے سفر آخرت کیا، پھر بھی کچھ غم نہیں فردائے قیامت کو اپنے مرشد پیر کی ایک نظر عنایت سے وہاں کے مؤاخذہ سے بری ہو جائیں گے، دوزخ کی آگ گو تین ہزار برس سے روشن کی گئی ہو، اس میں ہرگز نہ جلیں گے، اے برادر یہ تمہارا خیال سودائے خام ہے، محض شیطانی فریب ہے، وہ اسی طرح بندگانِ خدا کو بہکایا کرتا ہے۔

کیا تم نے نہیں کہ ابلیس لعین نے حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا دشمنی کی، تمہارے باپ کا دشمن تم سے دوستی کرے؟ بالکل ناممکن، نیز کلام ربانی میں اس شریرو مفسد کا دعویٰ کس شد و مد کے ساتھ بایں عبارت ''لَأُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ'' میں اولادِ آدم کو ضرور گمراہ کروں گا، مذکور ہے۔

الحاصل: اگر تم مرد عاقبت اندیش ہو تو مکر شیطان اور اس کی دغا وفریب دہی سے غافل نہ ہو، عذابِ قبر، خوفِ روزِ محشر، مؤاخذۂ آخرت ہر وقت یاد رکھو، کسی بزرگ نے فرمایا ہے، خاصانِ خدا، مقام رضا و تسلیم والے ہر وقت وحشت زدہ و ہراسان رہتے ہیں، ارحم الراحمین کی رحمت سے ناامید ہونا نہ چاہیے اور نہ اس کی کریمی ورحیمی پر نظر کر کے مغرور ہو جاؤ بلکہ امید کے ساتھ خوف بھی رکھو۔



عَاقِبٌ

سب انبیائے کرام کے بعد آنے والے۔

اسی واسطے آپ خاتم المرسلین ہیں، اور یہ صفت لفظ ''عَقِب'' سے مشتق ہے اور عقب بمعنی پاشنہ (ایڑی) ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کے بعد مبعوث ہونے میں حکمت یہ ہے کہ محل دین متین آپ کی ذاتِ بابرکات سے آباد ہو اور آیت کریمہ ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' آج میں نے تمہارا دین پورا کر دیا، کے معنی وجود باجود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور پذیر ہوں، اس تاخیر بعثت اور بعدیت ظہور سے آپ کا تقرب ومحبوبیت علی وجہ الکمال بارگاہِ حق تعالیٰ میں روشن ہے، کیونکہ شاہانِ روئے زمین کا دستور ہے کہ مقربین درگاہ و خاصان وعمائد سلطنت کو معمولی کاموں پر نہیں بھیجتے، بلکہ خاص مہم پر اپنے پاس سے جدا کرتے ہیں، اور جب

دیگر امرائے مملکت سے وہ مہم سر نہ ہو سکے تو اپنے وزیر خاص، مشیر صاحب تدبیر کو اس کام پر روانہ کرتے ہیں اور وہ مشیر قوانین سیاست جاننے میں سب سرداروں سے ممتاز و سرفراز ہوتا ہے، بالآخر اس کی کوشش سے مشکل کام انجام پاتا ہے، شیخ ناصر علیؒ کہتے ہیں:

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ   ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ

اے ختم رسل قربِ تو معلوم شد   دیر آمدۂ ز راہ دور آئندۂ

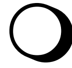
حاصل مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعتبار ظہور و بعثت کے اگر چہ اخیر زمانے میں ہیں؛ لیکن باعتبار آفرینش نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے اول ہیں، اور آپ کو اعلیٰ درجہ قرب الٰہی کا حاصل تھا، اور یہ درجہ اس عالم سے از بس بعید ہے، اس بعد کو بعدِ مسافت سے تعبیر کیا ہے اور کہا کہ آپ کی تشریف آوری میں جو دیر ہوئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ راہ دور دراز سے تشریف لائے ہیں، گو اور بہت منزلیں طے کی ہیں، عمارتِ دین کی ترمیم و تحکیم کی ایک مثال حدیث میں اس طرح ارشاد ہے کہ کسی نے ایک مکان عالیشان بنایا، جب وہ مکان ہمہ جہت تکمیل کو پہنچا اور جملہ مراتب عمارت حد کو پہنچ گئے تو اس شخص نے ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، وہ مکان خوب آراستہ و پیراستہ تھا، دیکھنے والے اس کی سیر کرتے پھرتے تھے، خالی جگہ دیکھ کر کہا کہ یہاں جائے استاد خالی کا مضمون ہے، (اس مقام کو درست کرنے والا کوئی لائق استاد ماہر فن ہوگا) یہ فرما کر ارشاد ہوا، اے مسلمانو! میں بمنزلہ اس اینٹ کے ہوں جس پر مکان کی ترمیم موقوف تھی، اب منزل ہدایت و مکان ارشاد کی تکمیل میرے قدموں کی برکت سے ہوئی، اور جس طرح قافلہ کی حفاظت اور لٹیروں سے بچاؤ ایک دستہ فوج سے ہوتا ہے اسی طرح بندگانِ خدا کی جان و مال و نقد ایمان کی حفاظت میری ذات سے ہے، میں دنیا و آخرت میں ان کا غمخوار، شفیعِ روزِ محشر ہوں گا۔

چہ غم دیوار است را کہ دارد چوں تو پشتیبان
چھ باک از موج بحراں را کہ باشد نوح کشتیبان

بیشک جب حبیب رب العالمین ایسا ہمارا پشتیبان ہے اور ہماری طوفانی کشتی کا ملاح، تو پھر ہم کو کچھ غم نہیں۔

احسان نا خدا کا اٹھائے میری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

اور یہ بھی معلوم ہے کہ پشتۂ دیوار مکان پیچھے ہی ہوتا ہے، پس اس تقریر سے معنی عاقب کے ہر مرد دانا کو دلنشیں ہوگئے۔



طٰہٰ

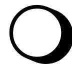
اے طاہر و پاکیزہ، یا اے انسان کامل۔

قرآن پاک میں اس اسم مبارک کے ساتھ حضور مخاطب ہوئے ہیں۔

"طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى" اے مرد خدا ہم نے یہ قرآن اس واسطے تم پر نازل نہیں کیا ہے کہ تم قریش کے کافر رہنے پر افسوس کر کے اپنے کو محنت ومشقت میں ڈالو؛ کیونکہ تمہارا کام صرف پہنچانا اور سنا دینا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ قرآن اس واسطے نہیں اتارا ہے کہ کثرت محنت وشب بیداری وریاضت وعبادت، ایک پاؤں سے نماز میں کھڑے رہنے سے تم مشقت اٹھاؤ، جیسا کہ قبل نزول آیت ہذا کچھ مدت یہی عادت تھی کہ راتوں کو قیام کرتے (حتی کہ پائے مبارک ورم کر گئی) اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں قول کفار کی تردید ہے، کفار جب حضور کو

کثرت عبادت میں مصروف پاتے، بطور طعن کے کہتے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ہمارا دین قدیم ترک کیا اور اس محنت و مشقت میں پڑے، حق تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا: ''اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَخْشٰى، تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى'' مگر جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس کے واسطے یہ قرآن نصیحت ہے، اس ذات قیوم کی بارگاہ سے اترا ہے کہ جس نے زمین و آسمان بلند پیدا کیا (حاصل یہ ہے کہ خدا سے ڈرنے والا بندہ تو ضرور ہی اس کے خوف سے ریاضت و عبادت کی تکلیف گوارا کرے گا اور لوگوں کے طعن کی کچھ پرواہ نہ کرے گا)

اس آیت شریفہ میں زمین کا ذکر آسمان سے پہلے ہے، اس کی وجہ مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ زمین کا وجود و ہستی ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے، برخلاف آسمان کے (کہ اس کے وجود میں اکثر گفتگو کرتے ہیں، چنانچہ اہل یورپ آسمان کو منتہائے نظر روشنی محض قرار دیتے ہیں۔



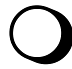
یٰسٓ

اے انسان! تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ لغت طے میں ہے، اصل یٰس یا یٰسین ہے، کثرت استعمال سے صرف یٰس رہ گیا، حق تعالیٰ نے اپنے کلام قدیم میں حضور سرور عالم کو اس نام نامی سے خطاب کر کے فرمایا ہے: ''يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' اے انسان کامل قرآن حکمت والے کی قسم ہے کہ تم منجملہ پیغمبرانِ مرسل ہو، توحید جو کہ راہِ راست ہے اس پر قائم و ثابت ہو۔

ترا غرلولاک تمکین بس ست ☆ ثنائے توطٰہ ویٰسٓ بس ست

جب آپ کی ثنا میں طٰہ ویٰسٓ ناطق ہیں، اب اس سے بڑھ کر اور کونسا وصف ہے یہ دونوں سورتیں حضور ہی کے نام پر موسوم ہیں، خدائے پاک نے اپنے کلام معجز نظام کو اپنے حبیب کے پیارے نام سے شروع کیا، تا کہ آپ کی ثنا وصفت دیباچہ و مقدمہ کتاب ہو۔

حدیث شریف ہے، ہر چیز کا دل ہے اور قرآن شریف کا دل سورۂ یٰسٓ ہے، اس کے ایک بار پڑھنے سے دس بار قرآن ختم کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔



طاھرٌ

ہر عیب ونقصان سے پاک، تمام گناہوں سے معصوم، آلودگی نجاست سے باطنی سے بالکل صاف وستھرے۔

جاننا چاہیے کہ لفظ طاہر، طہارت سے مشتق ہے، طہارت (پاکی) دو قسم ہے: ظاہری و باطنی۔

ظاہری طہارت: بدن کپڑوں کی نجاست اندرونی (بول وبراز وخون)، بیرونی (شراب وغیرہ) سے پاک رکھنا، یہ طہارت صحت نماز کے واسطے شرط ہے، بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی، ''لا صلاۃ إلا بالطھارۃ'' بے طہارت کے نماز نہیں، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، شرع شریف میں وضو، غسل، تیمّم اسی طہارت کا نام ہے، پیشاب، مٹی کے ڈھیلے سے خشک کرنا، یہ بھی طہارت میں داخل ہے۔

حدیث شریف ہے: ''استنزھوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه''

اے مسلمانو! پیشاب سے پاک وصاف رہو؛ کیونکہ اکثر عذاب قبر اسی کی بدولت سے، اور قصہ حضور سرور عالم کا دو قبروں پر گذرنا اور ایک قبر والے کو پیشاب سے طہارت نہ لینے پر مبتلائے عذاب پانا، دوسرے کو بہ علت چغلخوری گرفتار مصائب قبر ملاحظہ فرمانا، پھر ایک تازہ شاخ کھجور کی طلب فرما کر دو ٹکڑے کر کے دونوں قبروں پر لگا دینا۔

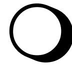
مشکاۃ شریف، صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے: چونکہ طہارت ظاہری کو طہارت باطنی لازم ہے، اور ایک دوسرے کی لازم وملزوم ہے، حدیث شریف میں یہ الفاظ وارد ہیں: ''الطھور شطر الایمان'' طہارت ایمان کا ایک حصہ ہے، حضور سرور عالم کا معمول مبارک تھا کہ اوقاتِ نماز رات و دن میں، سوتے وقت، سلام کا جواب دینے کو، جماع و اشتغال لذات جسمانی کے بعد، کھانا تناول فرما کر بھنی ہوئی چیز گوشت شتر کھا کر ضرور طہارت ظاہری غسل یا وضو یا تیمّم کرلیا کرتے تھے، جیسا کہ کتب احادیث صحیح مسلم وغیرہ میں بتفصیل مذکور ہے، لہٰذا ہر مسلمان ایمان دار کو لازم ہے کہ در باب طہارت اتباع سنت نبوی کرے، جب طہارت ظاہری حاصل ہوئی، دل کو بھی تیرا خدا طاہر کرے۔

قسم دوم طہارت باطنی ہے، از روئے قواعد شریعت یہ امر مسلم اور اصل اصول ہے کہ طہارت ظاہر بدون طہارت باطن کے کسی کام کی نہیں، بدن کی پاکی دل کی نجاست کے ساتھ بعینہٖ ایسی ہے جیسے تانبے پر سونے کا ملمع، اور یہ کھوٹا سکہ بازارِ دین میں مردود ہے، کوئی قبول نہیں کرتا، آیت کریمہ ''یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ'' اس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ لڑکے، مگر جو خدا کی درگاہ میں سلامت دل لے کر حاضر ہو، (اس کی خلاصی ہے) اسی مطلب کی جانب اشارہ ہے، طہارتِ باطن یہ ہے کہ دل کو شرک بخدا میل نفس جانب بدعت اور تمام

بری عادتوں سے جیسے کبر، حسد، بخل، ریا، نفاق وغیرہ ان سب سے پاک رکھے، دنیا کی محبت حب جاہ وثروت دنیوی، ان سب کی بنیاد اوران تمام گناہوں کی جڑ ہے، حدیث شریف ہے: ”حب الدنیا رأس کل خطیئة“ دنیا کی محبت تمام گناہوں کا سر ہے۔

علمائے دین فرماتے ہیں جس دل میں حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آل اطہار وصحابہ کبار کی دوستی نہ ہو وہ دل ناپاک وگندہ ہے، ان حضرات کی دوستی و محبت کی علامت یہ ہے کہ ان کی ظاہری وباطنی تعظیم وتکریم بغایت درجہ کرے، آئینہ دل کونور محبت ان بزرگوں سے روشن رکھے، زنگ وکینہ سے اپنے سینہ کو پاک کرے، اور جاہلوں کے جھوٹے اقوال و پرانے قصوں پر نہ جاکر راہِ ادب سے قدم باہر نہ رکھے، فقیر ناچیز کو اسرارِ شاہانہ ورموزِ مملکت سے کیا بحث۔

حاصل کلام: ہر انسان کو لازم و واجب ہے کہ تصدیق خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل نہ رہے اور یہی طہارتِ باطن ہے، دین اسلام جو کہ نجاتِ آخرت کا سرمایا ہے، اسی تصدیق کا نام ہے، اس کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔



مُطَھِّرٌ

تطھیر باب تفعیل کا اسم مفعول ہے، یہ مصدر مبالغہ کے واسطے ہے، معنی میں زیادتی کا لحاظ ہے، یعنی خوب پاک کرنا، اس نام مبارک کے یہ معنی ہیں، پاکیزہ تر، جملہ اقسامِ طہارت کے جمع کرنے والے، طہارت بجملہ اقسامہ لفظ طاہر کی شرح میں گذری، اگر اس طہارت و پاکی سے پاکی عوارض جسمانی وامراض روحانی سے مراد ہو تو از بس لائق ومناسب قائم ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے مبارک اور دیگر فضلات بدنی، (میل، بول وبراز) کا عطر وخوشبو کے مانند خوشبودار ہونا، چندمرتبہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا سینہ مبارک کو چاک کر کے آپ کے دل کو جملہ آلائش امکانی سے پاک کر کے دھونا، کتب سیر میں بالتفصیل مذکور ہے اور رسالہ ''انوار المشر قین'' مؤلفہ احقر (مؤلف اصل کتاب ہٰذا) میں مشرح مسطور ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ فیضانِ صحبت نیک کو اکسیر کا حکم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت، نزدیکی، صحبت سے وجود مطہر اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام آلودگی ونجاساتِ ظاہری و باطنی سے پاک وصاف ہے اور آیت تطہیر انہیں حضرات کی شان بلند مکان میں نازل ہوئی، آیت کریمہ ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا '' اے اہل بیت نبوی! خداوند عالم یہی چاہتا ہے کہ تم سے تمام گندگی (ظاہری و باطنی) دفع کرے اور تم کو خوب پاک وصاف کر دے۔

تعیین اہل بیت حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، بعض کا قول ہے کہ اہل بیت وہ بزرگوار ہیں کہ ان کو زکاۃ لینا حرام ہے، اس قول پر اہل بیت نبوی بنی ہاشم ہیں، ان میں آل عباس، آل علی، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث داخل ہیں، (یہ سب ہاشمی اور اہل بیت ہیں)۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اہل بیت نبوی، ازواج و اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ (اس صورت میں صرف بنی فاطمہ اور ازواج مطہرات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت ہوئے)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح مشکاۃ میں ارقام فرماتے ہیں: کبھی بالاختصاص جناب فاطمہ زہراء بتول، علی مرتضیٰ، حسن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اہل بیت نبوی کہتے ہیں اور لفظاً اہل بیت انہیں چاروں حضرات پر اطلاق کرنا مشہور ومعروف ہے۔ (بر بنائے قول ہٰذا اہل بیت نبوی یہی چار بزرگوار ہیں)۔

روایت ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات و جناب علی مرتضٰی و حضرت حسنین کو عبائے مبارک اڑھا کر دعا کی اور فرمایا: ''اللھم ھؤلاء اھل بیتی'' بارخدایا یہ چاروں تن خاص اہل شرف میرے اہل بیت ہیں، ان چاروں بزرگوں کو آل عبا بھی کہتے ہیں اور اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شمار کیے جائیں تو پنج تن پاک ہیں۔

اے برادر! حضور سرور کائنات خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت رضی اللہ عنہم کے حقوق ادا کرنے، ان کے ساتھ محبت رکھنے، ان کے مراتب وحرمت کی نگہداشت کرنے کے است مرحومہ کو بارہا وصیت ونصیحت فرمائی اور اس باب میں تاکید بلیغ کی کہ کسی طرح اہل بیت نبوی کو آپ کی امت کے لوگ ایذا نہ پہنچائیں، پھر بھی بعضے بد بخت دنیا کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور باغوائے شیطانی واتباع ہوائے نفسانی اہل بیت پاک کو جو کہ ارکانِ دین متین تھے اور فرزندان جناب بتول زہراء و آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کس کس ظلم وستم سے میدان نمونہ محشر کربلا میں شہید کیا۔

أ ترجو أمة قتلت حسينا

شفاعة جده يوم الحساب

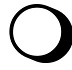
ترجمہ: جس امت نے حسین کو قتل کیا، قیامت کے دن حسین کے دادا کی شفاعت کی امیدوار ہے، ہرگز امید نہ رکھے؛ کیونکہ یہ جرم تو ایسا ہی سنگین ہے، مگر دربار ارحم الراحمین میں رحیم دل کریم مزاج مدحی جناب شفیع المذنبین کے نواسہ دادخواہ ہوں گے و مدعی اپنے خاندانی کرم سے درگذر کریں تو کچھ بعید بھی نہیں، بتعدد روایات ثابت ہے کہ جب لشکر یزید نے جناب سید الشہداء حسین کو شہید کیا اور سر مبارک جسم اطہر سے جدا کر کے نیزہ پر چڑھایا، آپ کے لب کو جنبش ہوئی، لوگوں نے کان لگا کر سنا، زبانِ حق

ترجمان پر یہ آیت کریمہ تھی:''سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ'' بہت جلد ظالم وستم گاروں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان بدبختوں کا کیا انجام ہوا۔

سہل کارے نیست خونِ آل احمد ریختن

آہ! ان بزرگوں کا خون اوپر ہی اوپر نہ جائے گا، یہ معمولی خون نہیں ہے۔

اللهم صل وسلم علی نبیک محمد و أهل بیته الذین طهرتهم تطهیرا۔



طیبٌ

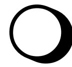
اس مبارک نام کے معنی بھی پاک وپاکیزہ ہیں۔

یعنی جن چیزوں سے شرع شریف انکار یا طبع سلیم نفرت کرے، ان سے پاک وصاف، اس پاک نام سے یہ اشارہ بھی ہے کہ چہرہ نورانی حضور کا مثل گلاب کے تازہ تھا، اور پسینہ جسم اطہر کا مثل عرق گلاب کے خوشبودار معطر، دندانِ مبارک موتی کے مانند آبدار، باتیں آپ کی سننے والے کے دماغ کو روشنی عطا کرتی تھیں، کتب سیر میں مرقوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کوچہ سے ہو کر گذرتے، سارا کوچہ عرق معطر کی خوشبو سے مہک اٹھتا، اور بعد گذر جانے سرور عالم کے جو شخص اس گلی سے گذرتا بلا تکلف معلوم کر لیتا کہ حضور سید عالم ادھر ہو کر تشریف لے گئے ہیں، جاننا چاہیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے:''**إن الله طیب لایقبل الا الطیب**'' حق تعالیٰ شانہ پاک ہے، وہ پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے، وہ پاک شئ قول ہو یا عمل، ہدیہ ہو یا صدقہ، اس حدیث میں لفظ طیب خدائے یکتا کی ذات پر اطلاق ہوا ہے؛ لہٰذا اس صفت کی قدر و بزرگی صاحبان صورت ومعنی پر مخفی نہیں اور ''لا الہ الا اللہ'' کلمہ طیبہ ہے

اوراس کے کہنے والوں کو دخول جنت کی بشارت ہے، یہ کلمہ پاک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کو ظاہر کررہا ہے؛ کیونکہ وحدانیت کا اعتقاد بے تصدیق رسالت کے بیکار ہے، ایسی وحدانیت کا اصلا اعتبار نہیں اور اس کلمہ طیبہ میں نفی معبودانِ باطلہ ہے، ذات خداوندی اور حقیقت محمدی ان سے مستثنیٰ ہے۔ (حاصل مطلب کلمہ طیبہ یہ ہے کہ قابل پرستش وعبادت بجز ذات وحدہ کے کوئی نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے اوراس کے رسول ہیں) قرآن مجید میں یہ بھی لفظ سامنے آیا ہے:"اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ" پارساو پاکدامن عورتیں پارسا مردوں کے واسطے ہیں اور پاکدامن و پارسامرد پارساعورتوں کے لیے ہیں، اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین لائق زوجیت و پیوندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور حضور انور کا طیب و طاہر لقب ہے، امہات المؤمنین بھی طیبات میں ہیں اور حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت ازواجِ مطہرات کو یہ بھی بجائے خود اپنی موقع سے تھی، ازواجِ مطہرات کہ درحقیقت مسلمانوں کی ماں ہیں، حالت حیات و نیز بعد وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکدامنی وعفت، ورع وتقویٰ کے ساتھ متصف تھیں، ان بیویوں میں کبھی کوئی کوچۂ عصمت سے باہر نہیں ہوئی، اور جب بعض کوتاہ نظرو دشمنانِ خدااوررسول سے درباب محبوبہ سید عالم یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کے افترا وتہمت سرزد ہوئی اور براہ شوخی وبے باکی جناب صدیقہ کے حق میں کلمات ناشائستہ کہے تو خداوند عالم نے اپنے حبیب سرورکونین کی نیک و پیاری بی بی کی براءت اوران کی پاکدامنی کی گواہی قرآن مجید میں بیان فرمادی، اوراپنے بندوں کوتاکیدی حکم سنادیا کہ اپنے کیے پر نادم ہوکر صدق دل سے توبہ کرلیں اور خبردار پھر کبھی کسی بی بی پر بہتان نہ لگائیں اور بحکم آیت

پاک ''ان بعض الظن اثم'' بعضے گمان گناہ ہیں، ازواجِ مطہرات جو کہ دُرجِ عفت کی آبدار جواہرات ہیں ان کی شان میں بدگمانی وخطرات شیطانی اپنے دلوں میں نہ آنے دیں، اور ہمیشہ ایسے خیالات بے ہودہ سے محترز رہیں، اس مقام میں در بیان تقویٰ سید عائشہ صدیقہؓ ایک حدیث ذکر ہوئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد آپ کے جناب ابوبکر صدیق جناب صدیقہ کے حجرے میں دفن ہوئے ہیں، تو حضرت عائشہ فاتحہ وزیارت کے واسطے بغیر اس کے کہ اپنے لباس وستر میں پورا پورا اہتمام کرتی ہوں، حجرۂ شریفہ کے اندر تشریف لایا کرتی تھیں، اور آپ فرماتیں ''یہاں ایک تو میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے باپ ہیں'' مگر جس وقت سے امیر المؤمنین جناب عمر فاروقؓ دفن ہوئے بغیر تمام بدن چھپائے آپ حجرہ کے اندر نہ گئیں اور یہ فرماتیں: ''مجھ کو عمرؓ سے شرم آتی ہے''۔

دوستو! ذرا غور سے ملاحظہ کرو کہ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی ام المؤمنین کو کس درجہ خلقی وقدرتی حیا وشرم تھی، سچ ہے، معنی: ''الطیبات للطیبین'' کے یہی ہیں جو جناب صدیقہ کے حیا وشرم سے ظاہر ہوتے ہیں، جناب صدیقہؓ پر تہمت لگانے کا قصہ اور پاکدامنی کی شہادت سورۂ نور میں مذکور ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ہر پیغمبر کو بی بی کو بدکاری وبدچلنی سے باز رکھا ہے۔



سَیِّدٌ

سردار اپنی قوم میں حسب ونسب کی رو سے سب سے بڑے ہوئے۔

حدیث میں آیا ہے: ''انا سید ولد آدم'' میں بنی آدم کا سردار ہوں، لفظ

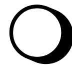
سید میں ''ی'' کو تشدید وزبر ہے، یہ لفظ سیادت سے مشتق ہے، سیادت بمعنی سرداری اور سیادت عرفاً ونقلاً تین جہت سے ہے۔

اول: آنحضرت صلی اللہ کی جانب سے۔

دوم: حضرت فاطمہؓ کی طرف سے۔

سوم جناب علی مرتضیٰ کی قرابت سے۔

اور یہ تینوں قسم آل رسول، بنی فاطمہ، اولاد علی کہی جاتی ہیں، اب ان قسموں میں پھر تفریق ہے اور ہر ایک قسم جداگانہ نام ولقب سے معروف ومشہور ہے، مثلاً جس کا باپ شیخ غیر علوی ہو اور ماں سیدانی ہو، وہ سید ہے، راقم نے یہ بحث کتاب ''جواہر الفرائد'' میں لکھی ہے اور یہ قول اکثر علماء کا ہے کہ بمضمون ''الولد یتبع خیر الابوین'' ماں اور باپ دونوں میں جو بہتر اور اشرف ہو، اولاد اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔



فائدہ سیر وعادات نبوی میں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: جناب رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بردباری، شجاعت ودلیری، عدالت وعفت میں بے نظیر تھے، حضور کی عفت وپاکدامنی کے متعلق علمائے دین کا بیان ہے کہ کبھی آپ کا نام مبارک ہاتھ کسی اجنبی عورت نامحرم سے نہ لگا، سخاوت میں کوئی آپ کا مدمقابل نہ تھا، درہم و دینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرتا نہ تھا، سونا چاندی بکشادہ پیشانی محتاجوں کو دیتے، اور اگر کبھی کچھ باقی رہ جاتا اور کوئی مستحق اس کا لینے والا نہ ملتا تو رات بھر حضور کو نیند نہ آتی اور جب تک وہ بقیہ مہر ونقد غرباء کو نہ دیدیتے آپ کو تسکین وآرام نہ

ہوتا، خاص اپنے اور اہل بیت کے خرچ کو ایک سال سے زیادہ مالِ غنیمت میں سے نہ لیتے، اور باقی مال راہِ خدا میں صرف کرتے، کبھی کسی سائل کو محروم و ناکام نہ پھیرتے، اکثر اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ جو ذخیرۂ قوت آپ کے اہل وعیال کا ہوتا، فقیروں، محتاجوں کو بخش دیتے، یہاں تک کہ سال گذرنے سے پہلے گھر بار کے نفقہ کے واسطے حضور کو احتیاط پیش آتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ اپنی جوتی اپنے ہاتھوں سے گانٹھ لیتے، پھٹا کپڑا پیوند کاری سے درست فرماتے، خانگی کام مومنین اپنے گھر والوں کے ساتھ شریک ہوکر ان کا ہاتھ بٹاتے۔

حضور خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیا و شرم اس درجہ کمال کی تھی کہ کسی شخص کے چہرے کو غور سے نہ دیکھتے، غریب، مسکین، غلام، کم رتبہ کی دعوت قبول کرکے اس کے گھر جاکر جو ماحضر تناول فرماتے، تحفۂ ہدیہ اگر چہ شئ حقیر ایک گھونٹ دودھ کا ہوتا، یا خرگوش کی ران ہوتی قبول کرلیتے، اور ہدیہ دینے والے کی خوشی سے نوش جان فرماتے، پھر اس کا بدلا بھی کردیتے، صدقہ وزکاۃ کا مال آپ نہ کھاتے؛ کیونکہ سادات پر صدقہ حرام ہے، کبھی کسی پر غصہ نہ ہوتے، ہاں خدا کے واسطے خشم وغضب ہوتا، مگر اپنے نفس کے واسطے کسی پر خفا نہ ہوتے، راست گوئی، سچی بات کہنا حضور کا شیوہ تھا، اگر چہ حق کہنے میں حضور کی ذات اقدس کو نقصان پہنچتا، اکثر اوقات بھوک کی شدت سے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے اور جو کچھ میسر آتا، تناول فرماتے، روکھی سوکھی غدا سے انکار نہ کرتے، اور حلال غذا سے پرہیز نہ فرماتے، کبھی خالی کھجور، کبھی صرف گوشت بریان، کسی وقت خشک جو یا گیہوں کی روٹی بغیر سالن کے نوش جان فرماتے اور گاہے حلوہ، دودھ، خربزہ، تازہ کھجور کھا لیتے، آپ نے کبھی تکیہ لگا کر امیرانہ شان

سے کھانا نہ کھایا، خوان کے اوپر کھانا نہ کھاتے بلکہ دستر خوان پر کھانا رکھ کر کھاتے، اور بعد کھانے کے ہاتھ صاف کرنے کا رومال کف، کف پائے مبارک تھا، یعنی بعد فراغت کے اپنے ہاتھ اپنے تلووں سے مل لیتے، دست مال ورومال کی چنداں پرواہ نہ تھی کہ بغیر رومال کے ہاتھ صاف نہ ہوں، کثرت سخاوت سے کبھی یہ موقع نہ ملتا کہ تین دن متواتر حضور صرور عالم عالم گیہوں کی روٹی سے شکم سیر ہوتے، اور یہی حالت حضور کی تاوقت وفات ہی۔

دعوتِ ولیمہ میں تشریف لے جاتے، بیماروں کی عیادت کرتے، نماز جنازہ میں شرکت فرماتے، مجمع دشمنان بدخواہ میں بے محافظ ونگہبان کے بے خوف وخطر تشریف لے جاتے، تواضع وانکساری میں یکتائے زمانہ تھے، اکثر اوقات خاموش رہنا عادت مبارکہ تھی، اور جب کچھ فرماتے، کلام مختصر ارشاد ہوتا، جمال صوری (خوب روئی)، کمال باطنی سے آراستہ، حوادث دنیوی سے کبھی ہراساں نہ ہوتے، لباس آپ کا سادہ تھا، جو کچھ میسر آتا زیب بدن فرماتے، کبھی صرف ایک چادر رکھتے، برد یمانی (مخطّط) کبھی ان کا جبہ حضور انور کا لباس باتمکین ہوتا۔

چاندی کی انگوٹھی (مہر) سید ہے، ہاتھ کی انگشت خنصر میں ہوتی تھی، گاہے بائیں ہاتھ میں پہنتے، جب حضور کسی سواری پر سوار ہوتے، اپنے غلام کو یا کسی دوسرے کو اپنے پیچھے بٹھالیتے، سواری آن سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھوڑا، اونٹ تھا اور کبھی خچر، گاہے گدھے پر سوار ہوتے، اور گاہ بگاہ پیادہ پا بے چادر وعمامہ وٹوپی کے تشریف لے جاتے، ہمارے آقائے نامدار محبوب پروردگار کو خوشبو مرغوب تھی، بدبو سے نفرت، درویش، فقراء حضور کے ہم صحبت تھے، مسکینوں کے ساتھ کھانا بلا تکلف نوش فرماتے، صاحبان فضل کی عزت کرتے، شرفائے قوم کی نیکی واحسان کے ساتھ دلداری کرتے،

صلہ رحمی فرماتے، اپنے عزیزوں ورشتہ داروں کو غیروں پر جو بزرگ ہوتے، ترجیح نہ دیتے بلکہ ان کی بزرگی پر نظر ہوتی، کبھی کسی پر جفا وظلم روا نہ رکھتے تھے، اگر کوئی کسی امر میں تقصیروار ہو کر معذرت کرتا، حضور اس کا عذر قبول فرماتے، خوش طبعی و دل لگی کی باتوں میں بجز حق اور سچ کے نہ کہتے۔

اکثر اوقات ہنستے، اور تبسم فرماتے، مگر آپ کی ہنسی میں آثارِ قہقہہ (ٹھٹھے کی آواز) بلند نہ ہوتی، مباح وجائز کھیل روا رکھتے، اپنی بیویوں کے ساتھ کھیلتے، ان کا جی بہلاتے، ان کے ہمراہ دوڑتے، اگر کوئی آپ سے بلند آواز میں کچھ کلمات سخت کہتا تو حضور برداشت فرماتے اور اس کی بے ادبی کا کچھ خیال نہ ہوتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اونٹنیاں اور بکریاں تھیں، ان کا دودھ اپنے عیال پر تقسیم فرماتے اور خود نوش کرتے، اپنے لونڈی وغلاموں کو اپنے برابر رکھتے، کھانے، پینے، لباس میں کوئی فرق نہ ہوتا؛ بلکہ اپنے ساتھ شریک کر لیتے تھے۔

کسی عبادت الٰہی واصلاحِ نفس سے حضور بیکار و فارغ نہ رہے، کسی مسکین کو اس کے افلاس کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا، پادشاہانِ روئے زمین سے کچھ خوف و ہراس نہ کرتے، دعوتِ اسلام وتوحید میں شاہ وگدا دونوں آپ کے نزدیک یکساں تھے، حق تعالیٰ نے حضور سرور انبیائے صلی اللہ علیہ وسلم کو عاداتِ خوب، طریق وسیاست وملک داری کامل عطا فرمائی تھی، باوجودیکہ حضور امی تھے، لکھنا پڑھنا سیکھا نہ تھا، آپ نے ایسی سرزمین میں نشو ونما پائی کہ جہاں جاہلانِ عرب کا مسکن تھا، جنگل و بیابان کے باشندے ان کو خط وکتابت سے کیا سروکار، ابتدائی عمر شریف شبّانی میں گذری، یعنی بکریاں چرائیں، فقر شروع ہی سے پسند خاطر ہمایوں تھا، بے ماں باپ کے یتیم تھے، اس پر بھی خدائے دو عالم نے ہمارے آقائے نامدار کو اخلاق حسنہ، اوضاع پسندیدہ

عطا کیں، پہلے اور پچھلے لوگوں کے حالات اور وہ کام جو دنیا وآخرت میں کارآمد تھے اور جن کی وجہ سے خوبی وراحت حاصل ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرماتے۔

ان عادات وسیر کو نقل کر کے امام غزالیؒ لکھتے ہیں، میں نے یہ سیر احادیث شریف سے انتخاب کیے ہیں، ماسوا ان کے دیگر عادات واخلاق جو کہ ابوالبختر ی نے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں یہ ہیں:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقاً کسی مسلمان کو برا کہتے، سخت بات اس کے حق میں ارشاد فرماتے تو یہ بات اس شخص کے گناہوں کا کفارہ اور موجب رحمت ایزدی ہوتی، کسی لونڈی، غلام یا خدمت گار پر لعنت نہ کرتے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں کافروں سے لڑ رہے تھے، کسی صحابی نے عرض کیا، حضور ان ظالموں پر بددعا فرمائیں، ابھی قہر الٰہی ان کو آنِ واحد میں تباہ کردے، آپ نے فرمایا: ''**أنا بعثت رحمة و لم ابعث لعانا**'' مجھ کو میرے خدا نے رحمت عام کر کے بھیجا ہے، مجھ کو لعنت کرنے والا نہیں بھیجا، میں کسی کی خرابی و بربادی کی بددعا نہیں کرتا، اگر کوئی کسی مسلمان یا کافر فقیر خواہ مالدار کے حق میں حضور سے بددعا کا طالب ہوتا تو حضور بجائے دعائے بد کے نیک دعا اس کے حق میں ارشاد فرماتے، آپ نے کبھی کسی کو غصہ کی حالت میں اپنے ہاتھ سے نہ مارا، البتہ خدا کی راہ میں خدا کا بول بالا کرنے کو کافرانِ بے دین قتل کیے ہیں اور کبھی اپنا بدلہ کسی سے نہ لیا، مگر حد شرعی ضرور جاری فرماتے، جب دو کاموں میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آسان کام اختیار کرتے، اور اگر اس کام میں نافرمانی خدا کا شبہ ہوتا تو اس کے کرنے سے احتراز فرماتے۔

علی ہذا القیاس جس کام میں قطع ناتہ ورشتہ اس سے دور رہتے، اگر کوئی غریب و

ناتواں، لونڈی غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام میں مدد مانگتا تو آپ اس کا کام سرانجام دیتے اور اس کے ساتھ شریک ہو جاتے، حضرت انسؓ خادم رسول کہتے ہیں: خدا کی قسم کبھی حضور نے کسی کام پر مجھ سے یہ نہ فرمایا کہ یہ کام ایسا کیوں کیا اور اگر کبھی مجھ سے کسی کام میں تقصیر واقع ہوتی اور حضور کے گھر والے مجھ پر خفا ہوتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے، اس بیچارے مسکین کو چھوڑ دو، مشیت الٰہی ایسی ہی تھی، اس کا کیا قصور ہے؟ خواجہ عالم کو بستر کی پرواہ نہ تھی، سوتے وقت اگر بستر کر دیا جاتا تو اس پر آرام فرماتے، ورنہ زمین پر سو رہتے۔

سردار کونین نبی الثقلین کی بعثت سے قبل حق تعالیٰ نے سفر اول توریت میں اس طرح اوصافِ حمیدہ آپ کے نازل فرمائے ہیں: محمد خدا کے رسول اور اس کے بندۂ برگزیدہ ہیں، وہ سنگ دل، تندخو، بازاروں میں غل وشور کرنے والے نہ ہوں گے، بدی کا بدلہ بدی کے ساتھ نہ کریں گے، بلکہ معاف کر دیں گے، جائے ولادت ان کی مکہ ہے، اور مدینہ کو ہجرت کر جائیں گے، بادشاہی ان کی ملک شام میں ہوگی، وضع لباس ان کی یہ ہوگی کہ ازار (تہ بند) باندھیں گے وہ اوران کے یار حافظ قرآن پاک اور اہل علم ہوں گے، وضو میں ہاتھ پاؤں دھوئیں گے اور ایسی ہی نعت آپ کی انجیل میں بھی ہے۔ (انتھی الکلام ابو البختری)

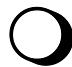
نیز من جملہ عادات واخلاق شریفہ یہ تھا کہ سلام کرنے میں سبقت فرماتے اور جب کوئی اہل غرض حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا جب تک وہ بیٹھا رہتا اور اپنا مدعا عرض کرتا، حضور اس کی طرف متوجہ رہتے، اگر کوئی براہ محبت واخلاص آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا جب تک وہ خود ہاتھ نہ چھڑاتا، آپ نہ چھوڑتے، مصافحہ کرنے میں اپنے یاروں سے پہل کرتے، پنجہ ہاتھ کا اپنے ہاتھ میں لے کر بکمال محبت والفت خوب دباتے۔

حدیث میں ہے کہ ”صافحه ثم اخذ یده فشابکه یشتد قبضته“آپ نے آنے والے سے مصافحہ کیا، اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خوب دبایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، ”یا الله یا کریم“ اور مانند ان کے دوسرے اسمائے حسنیٰ زبانِ مبارک سے نکلتے، آیت کریمہ: ”اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَاماً وَ قُعُوْداً وَعَلٰی جُنُوْبِهِمْ“ اور اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے ہوئے اللہ جل شانہ کو یاد کرتے ہیں، آپ کا عمل اس پر تھا اور غرض حضور نبوی یہ تھی کہ سب مسلمان اس باب میں آپ کی پیروی کریں اور جب کوئی خدا کا بندہ اپنی حاجت لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتا اور حضور اس وقت (نفل) نماز میں مشغول ہوتے تو نماز میں تخفیف کر کے اس سے دریافت فرماتے، تمہارا کیا کام ہے؟ اس کی حاجت برآری فرما کر پھر عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے۔

حضور سرور عالم کی نشست اکثر اوقات اس ہیئات پر ہوتی، دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے اور سرین مبارک پر بیٹھتے، آپ کی جائے نشست کوئی خاص جگہ نہ تھی، بلکہ سب میں مل کر نشست فرماتے اور جس جگہ گنجائش ہوتی بیٹھتے، کوئی جائے صدر و مسند پر آپ کی نشست نہ ہوتی؛ کیونکہ تکلفات زمانہ سے آپ بیزار تھے، فرمایا کرتے تھے: ”شر الاخوان من تکلف له“ مسلمان بھائیوں میں وہ برا شخص ہے جس کے واسطے تکلف کیا جائے، آپ اپنے یاروں کی طرف کبھی اپنے پاؤں دراز نہ کرتے، اکثر اوقات قبلہ کی طرف منھ کر کے بیٹھا کرتے، جب کوئی نیا شخص آپ کی ملاقات کو آتا، حضور اپنا کپڑا، چادر اس کے واسطے بچھا دیتے اور نہایت اصرار و مبالغہ سے فرماتے کہ یہاں بیٹھو، چاہے وہ آنے والا حضور کے عزیزوں، یاروں، دینی بھائیوں میں سے نہ ہوتا، تاہم اس کی عزت بڑھانے کو اس

قدر اہتمام فرماتے، اور ہر شخص کو تکیہ مرحمت فرماتے کہ اس پر ٹیک لگا کر بیٹھو، اگر وہ لینے میں انکار کرتا، آپ نہایت تاکید فرماتے، آخر وہ حضور کے اصرار سے اس جگہ بیٹھتا یا تکیہ قبول کرتا، جس وقت کوئی شخص خدمت اقدس سے رخصت ہو کر چلا جاتا، اپنے دل سے یقین کرتا کہ مجھ سے زیادہ معزز و محترم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دوسرا نہیں ہے، مجلس نبوی حیاء، شرم، تواضع، امانت و دیانت کی مجلس تھی، کوئی امر خلافِ شرم و حیا و دیانت کے جیسے دل لگی، بے ہودہ مذاق، بیکار ہنسی قہقہہ، غیبت، چغلخوری، بدگوئی اس مجلس پک میں نہ ہوتا، آیت کریمہ: ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ'' رحمت الٰہی کے سبب سے آپ بندگانِ خدا کے واسطے نرم ہوتے ہیں اور تند خو، سنگدل ہوتے، ضرور لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، اور کوئی آپ کے گرد نہ پھٹکتا۔

حضور کو غصہ دیر میں آتا اور جب آتا تو جلد فرو ہو جاتا، ذرا سی بات پر خوش ہوتے، مجلس شریف کے بیٹھنے والے کمالِ ادب سے آواز بلند نہ کرتے اور جب مجلس سے اٹھتے یہ دعا پڑھتے: ''سبحانک اللھم بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک و أتوب الیک'' یہ کلمات حضور نبوی کے تعلیم کردہ تھے، فرماتے تھے ''جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو یہ کلمات سکھا دیئے ہیں'' خداوندا! ہم سب کو توفیق پیروی، سیرت و عادت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما۔ آمین یارب العالمین



حکایت دختر حاتم

جناب امیر المؤمنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جب حاتم طائی

کی لڑکی ''طے'' کی قیدیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روبکار میں پیش ہوئی، لڑکی نے عرض کیا: ''اے رسول خدا! اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھ کو قید سے رہائی بخشیں اور میری بربادی وگرفتاری واہانت سے قبائل عرب کو مجھ پر خوش نہ کریں؛ کیونکہ میرا باپ سردارِ قوم تھا، بھوکوں کو کھانا دیتا، قول پورا کرتا، قیدیوں کو قید سے آزاد کردیتا، کسی سائل کو اپنے در سے محروم نہ جانے دیتا تھا، آپس میں سلام کرنا اور اس کے وقت میں رواج تھا، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

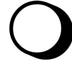
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکی! تو نے یہ صفات اپنے باپ کی بیان کی یہ تو مسلمانوں کے اوصاف ہیں، اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا میں اس پر خدا کی رحمت بھیجتا، رحمۃ اللہ علیہ کہتا'' پھر ارشاد نبوی ہوا کہ اس لڑکی کو رہا کردو، اس کا باپ اخلاق کریمہ کو دوست رکھتا تھا اور حق تعالیٰ یہی مکارم اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔

ابو بردہ بن دینار اس وقت مجلس میں حاضر تھے، انہوں نے عرض کیا اے رسول! کیا حق تعالیٰ مکارم اخلاق کو دوست رکھتا ہے، فرمایا ہاں، قسم اس خدا کی جس کے دست قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، بہشت میں کوئی نہ داخل ہوگا، مگر صرف مرد نیک خو۔ (یہ مضمون احیاء العلوم میں ہے)

جاننا چاہیے سید مالدار دنیادار کو گو مسلمان نہ ہو، کہہ سکتے ہیں؛ کیونکہ یہ لفظ لغت عرب میں مشترک ہے، حکایت دختر حاتم اور اس کی گفتگو سے ثابت ہوتا ہے، پس اس صورت میں سیادت (سیدی وسرداری) دو قسم ہے، سیادت دینی، سیادت دنیوی، قسم اول فرزندانِ علی و بنی فاطمہ کے ساتھ خاص ہے اور قسم دوم عام ہے۔

خدایا بحق بنی فاطمہ — کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول — سن و دوست دامان آل رسول

اے خدا کریم بطفیل وصدقہ بنی فاطمہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو، یہ میری دعا چاہے مقبول ہو یا مردود، میں نے تو آل رسول کا دامن پکڑا ہے اور انہیں کو اپنی شفاعت کا ذریعہ گردانا ہے، تو مالک ومختار ہے۔



رسولؐ

پیغمبر، پیام رساں، دعوت خلق کے واسطے کتاب آسمانی قرآن مجید کے ساتھ خاص خدا کے بھیجے ہوئے۔

نبی اور رسول درمیان فرق یہ ہے کہ رسول صاحب کتاب ہے، یعنی اس کو عہدۂ رسالت کے ساتھ کوئی خاص کتاب بھی عطا ہوئی ہے اور نبی عام ہے، اس کو کتاب جدید ملی ہو یا دین جدید عنایت ہوا ہو، یا الہام یا وحی کے ذریعہ سے دعوت کرے اور دین و کتاب سابق پر بہ تبعیت رسول سابق عمل کرے اور کار تبلیغ احکام الٰہی بجالائے، اس اسم والے کی بزرگی شان یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا، دوسرے یہ کہ زبان سے اس صفت کا اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کرنا ایمان واسلام کی دلیل ہے، یعنی کلمۂ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' زبان سے کہنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا، ضروریات اسلام سے ہے، صرف رسول کا مرتبہ تو معلوم ہوگیا اور جب رسول ختم المرسلین ہو تو اس کا منصب رسالت تمام پیغمبران مرسل سے ارفع و بلند ہوگا، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر آخر الزماں میں خاص خدا آپ کا تعلیم دہندہ ہے، اخلاقِ الٰہی آپ کی طینت وخلت ہیں۔

سعد بن ہشام سے روایت ہے کہ ان کا قول ہے، میں نے جناب عائشہ

صدیقہؓ سے سوال کیا کہ ام المؤمنین! حضور نبوی کی عادات و سیر کیا ہیں؟ جناب صدیقہؓ نے جواب دیا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، میں نے کہا: پڑھتا ہوں، آپ نے فرمایا، آپ کے عادات قرآن شریف کے مطابق تھے، حق تعالیٰ نے آپ کو قرآن تعلیم فرمایا، آیت کریمہ ”خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ“ اے رسول! درگذر کرنا اپنا معمول کرو اور نیکی و بھلائی کا حکم دو، دوسری آیت پاک ”اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ“ اللہ تعالیٰ احسان اور عدل کرنے کا آپ کو حکم دیتا ہے اور ناتے داروں کے دینے کو فرماتا ہے، بے حیائی اور برے کاموں سے منع کرتا ہے۔

نیز آیت کریمہ ”وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا اللّٰهُ“ اے رسول! صبر کرو، تمہارا صبر خدا ہی کے ساتھ ہے، آیت کریمہ ”وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ“ صبر کر کے جو کچھ تکلیف ہو برداشت کیجئے، یہ تو بڑی بات ہے، آیت کریمہ ”فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ“ تا آخر آپ ان سے درگذر کریں اور منھ موڑ لیں، اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، آیت کریمہ ”وَادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ“ کفار کی بحث و جدال کو نیک خصلت کے ساتھ ٹالو، یہ جملہ آیاتِ طیبات حضور سرور عالم کی تعلیم کے واسطے نازل ہوئیں، اور یہی عادات شریفہ تھیں۔

لکھا ہے کہ جب غزوۂ احد میں دندانِ مبارک شہید ہوئے اور خون چہرہ پر جاری ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے خون پونچھتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، یہ قوم کیسے کامیاب ہوگی، اس نے تو رسول اللہ کو خون سے رنگین کیا؛ حالانکہ رسول اللہ نے دعوتِ الٰہی پر کمر باندھی ہے۔

حق تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ”لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ“ یعنی ارشاد ہوا ”اے محمد! مشیت ایزدی میں تم کو کوئی دخل نہیں ہے، محنت و ایذا دشمنانِ پر صابر و

شاکر ہو، شکوہ و شکایت سے اپنی زبان روکو، کسی پر بددعا نہ کرو‘ ملاحظہ ہو کہ اس آیت پاک سے کس درجہ تعلیم وتہذیب اخلاق ہے، (تکلیف اٹھا کر اپنے دشمن کو کوسنا اور برا کہنا ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں منع کردیا) اس قسم کی آیات تادیب بخطاب خاص بالخطاب عام مومنین قرآن شریف میں بہت ہیں۔

اصل مقصود ان آیات کریمہ سے حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتادیب ہے اور آپ کے وجود باوجود سے دوسرے بندے خاص وعام کا بہرہ یاب ہونا ہے، پس اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم اخلاقِ حمیدہ و اوصاف پسندیدہ قرآن شریف سے ہوئی ہے، مسلمانوں نے زبان صدق بیان جناب سرور عالم سے احادیث سن کر ادب سیکھا، لہٰذا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”**بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**“ میں اس واسطے آیا ہوں کہ مکارم اخلاق پوری کروں اور جب تک حضور دنیا میں رہے، بندگانِ خدا کو اچھے عادات سکھاتے رہے اور اخلاق پسندیدہ کی ترغیب وتزکیۂ نفس کی تاکید میں اپنی زندگانی دینا صرف فرمائی، اور جب حضور سرور دو جہاں حسن اخلاق میں ممتاز ہوئے، حق جل شانہ نے آپ کی تعریف قرآن میں بایں کلمات فرمائی ”**اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ**“ اے محمد! تم بڑے خلق پر قائم ہو۔

اس مقام سے کمالِ عنایت الٰہی ملاحظہ ہو کہ خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب سکھایا اور وہ خلق نیک جو اسی کی دی وئی نعمت ہے حضور کی ذات اقدس کے ساتھ منسوب کیا، یعنی یہ خلق حسن آپ ہی کی صفت خاص ہے، (گویا آپ ہی نے حاصل کی ہے) سچ ہے، شاہانِ بلند ہمت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو وہ عطیہ اپنی طرف سے شمار نہیں کرتے، بلکہ جس کو دیا ہے اسی کا جانتے ہیں، اگر خداو عالم شہنشاہِ حقیقی کی طرف سے اس کے رسول

کریم حبیب کے حق میں یہ رحمت کبریٰ مرحمت عظمیٰ ہوئی تو کیا عجب۔

حق تعالیٰ نے در باب ہدایت وارشاد بندگان خود خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، عالم ہوں یا جاہل، فرمانبردار ہوں یا نافرمان، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی صفت رسالت کے ساتھ قرآن مجید میں بارہا بار فرمایا ہے، اس سے غرض یہ ہے کہ آپ کے منصب رسالت میں کسی کو شبہ وشک نہ رہے اور دیگر آسمانی کتابوں میں جو نعت آپ کی مذکور ہے اس کو بھی اسی صفتِ رسالت سے منطبق پائیں، آیت کریمہ: ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ'' محمد اللہ کے رسول ہیں۔

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ'' محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے یار واصحاب کافروں پر سخت ہیں۔

''آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ'' جو کچھ اللہ کی طرف سے رسول پر اترا، رسول اور سب مومن اس پر ایمان لائے۔

''مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْ'' جو تمہارے پاس رسول لائے اس پر عمل کرو اور جس سے منع کرے باز رہو۔

''مَنْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِجَالِکُمْ'' محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔

ماسوا ان آیات بابرکات کے بہت سی آیتیں قرآن مجید میں ہیں (تمثیلاً یہ چند آیات اس مقام میں مذکور ہوئیں) بار بار اسی صفت خاص رسالت کے ساتھ قرآن مجید میں یاد کرنے کا فائدہ وغرض یہ ہے کہ دیگر است دعوت اہل کتاب (یہود ونصاریٰ)

دلائل وشواہد نبوت ورسالت یعنی آپ کے کمالات ومعجزات کو ملاحظہ کرکے اوران پر غور وتأمل کے ساتھ نگاہ ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور دین اسلام کہ جس کی صفت ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ'' خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، قرآن مجید میں وارد ہے، اس کو اختیار کرلیں، اورصدق دل سے مشرف باسلام ہوں۔

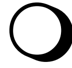
دوسرا گروہ ہے اجابت جو اہل سنت و جماعت ہیں، اپنے مشہور لقب پر نظر کرکے بجمیع وجوہ پیروی شریعت اسلام وسنت محمدی میں جان ودل سے مصروف رہیں۔

افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانہ میں طریقہ مسنونہ رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ ہوگیا ہے، عبادات و عادات میں اقسامِ بدعات کو دخل تمام حاصل ہوا، اور بجائے اتباع سنت سنیہ کے بدعات نامرضیہ کا ذوق وشوق عام دلوں میں متمکن ہوگیا ہے، حالانکہ احادیث مشہورہ میں ترک بدعت واتباع سنت کا سخت تاکیدی حکم ہے، بدعت اورامر جدید میں ہے جو دینی یا دنیوی سے خالی و عاری ہو، قدوۃ العارفین شریعت پناہ مولوی محمد صبغۃ اللہ مخاطب بہ گلزارالدولہ، قاضی الملک کی تصانیف سے رسالہ گلزارِ ہدایت شرک و بدعت کی تردید میں ہے، اس میں کمال خوبی سے اس کے متعلق لکھا ہے؛ چنانچہ رسالہ ہذا مدارس میں جو کہ راقم الحروف کا وطن ہے لکھا گیا ہے اور جملہ بلادِ عالم میں یہ کتاب مشہور م ومقبول ہے اوراس ملک میں بھی موجود ہے۔

فی الحقیقت ازبس مفید کتاب ہے، اگر یہ کتاب مل جائے تو شائقین ضرور اس کو ملاحظہ فرمائیں اورتوفیق نیک عمل خدا سے چاہیں۔

اے بھائی! خداوند عالم شرک سے ناراض ہے، اورحضور رسول خدا بدعت سے ناخوش ہیں، بدعت کا شوق دل میں پیدا ہونا، حدیث شریف میں اس کو بلفظ فسادِ امت

تعبیر فرمایا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے"**من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مأة شهید**" جس نے میرے طریق مسنونہ پر قیم کیا اور وقت فساد میری امت کے اس طریق کو نہ چھوڑا اس کے واسطے سو شہیدوں کا ثواب ہے، اگر حق تعالیٰ توفیق خیر عنایت فرمائے تو یہی بشارت سب مسلمان بھائیوں کے حق میں کافی ہے۔



نبیؐ

پیغمبر، احکامِ الٰہی کی خبر دینے والے۔

نبوت کے معنی اخبارِ غیبی کی خبر دینا، حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و بزرگی ظاہر کرنے کو قرآن مجید میں یہ لفظ "یا یھا النبي" خطاب فرمایا ہے۔

با آدم است یا پدر یا انبیاء خطاب
یا ایہا النبی خطاب محمد است

حضرت آدم علیہ السلام باوجودیکہ پدر جملہ انبیائے کرام ہیں ان کو خطاب بہ لفظ آدم ہوا اور ہمارے رسول اللہ "یا ایھا النبی" کے ساتھ مخاطب ہوں۔

آنحضرت ﷺ کے آداب کھانے کے

چند آداب اکل وشرب احیاء العلوم سے سابقاً مذکور ہوئے، اب باقی آداب اس مقام پر لکھتے ہیں، احادیث میں آیا ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص غذا کے پابند نہ تھے، جو کچھ مل جاتا بے تکلف تناول فرماتے، ایک برتن میں چند اشخاص کے ساتھ کھانا کھاتے اور اس کے ہاتھ اس میں پڑتے۔

چنانچہ کتب سیر سے منقول ہے کہ حضور نبوی کو وہ کھانا بہت مرغوب تھا جس پر کثرت سے ہاتھ پڑیں، جب دسترخوان بچھایا جاتا، فرماتے: ''**بسم اللّٰــہ اللهم اجعلها نعمة مشكورة فضل بها لنعيم الجنة**'' خدا کے نام پر ہم کھاتے ہیں، خداوندا اس نعمت کو موجب ادائے شکر گردان تا کہ اس کے وسیلے سے ہم بہشت کی نعمتیں پائیں۔

کھانا کھاتے وقت اکثر اوقات حضور کی نشست اس طرح ہوتی جیسا کہ نماز کی حالت میں بیٹھتے ہیں، دونوں زانو، دونوں قدم ملا کر بیٹھتے، صرف فرق اس قدر ہوتا کہ ایک زانو دوسرے زانو پر اور ایک قدم دوسرے قدم پر ہوتا (یعنی ایک کولے پر ایک جانب کسی قدر جھکے ہوئے بیٹھتے) حضور یہ فرمایا کرتے تھے میں بندہ ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے میں بھی ویسے ہی کھاتا ہوں، اور جیسے بندہ بیٹھتا ہے میں اسی ہیئت سے بیٹھتا ہوں۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت گرما گرم کھانا نوش جان نہ فرماتے، اور گرم کھانے کے نسبت ارشاد ہوتا، ایسے کھانے میں برکت نہیں ہے، خدا نے آگ ہمارے کھانے کو نہیں دی ہے، یارو! کھانے کو ٹھنڈا کر کے کھاؤ، حضور اقدس کی عادت تھی کہ کھانے کے ظرف میں سے ایک کنارہ سے کھاتے، اکثر تین انگلیوں سے نوالہ بناتے، کبھی چھوٹی انگلی کی مدد سے لقمہ اٹھاتے، دو انگلیوں سے نہ کھاتے اور فرماتے، دو انگلیوں سے کھانا شیطان کا کام ہے، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا روٹی کے بغیر چھنے آٹے کی ہوتی، چلنی اس وقت مروج نہ تھی، ککڑی، تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرماتے، اور کبھی نمک کے ساتھ میووں میں تازہ کھجور، خربوزہ، انگور پسند تھے، خربوزہ کبھی روٹی، شکر سے کبھی تازہ کھجور سے کھاتے، عادت مبارکہ تھی کہ کھجور دونوں ہاتھ

سے نوشجان فرماتے تھے۔

ایک روز حضور داہنے ہاتھ سے کھجور کھا رہے تھے اور گٹھلیاں بائیں ہاتھ میں جمع کرتے جاتے تھے، اتفاقاً ایک بکری ادھر سے گذری، آپ نے بکری کو اشارے سے بلایا، اور گٹھلیوں والا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا، وہ بکری گٹھلیاں کھانے لگی، اور حضور داہنے ہاتھ سے بدستور سابق کھجور کھاتے جاتے تھے، بکری گٹھلیاں کھا کر فارغ ہوئی اور ایک سمت چلی گئی۔

کبھی دانہ انگور کا پوست دور کر کے کھاتے اور شیرہ انگور کے قطرے ریش مبارک پر نظر آتا جیسے موتی کے دانے ہوں، اکثر اوقات غذائے حضور اقدس کھجور اور پانی ہوتی، کبھی دودھ و کھجور ہوتی، دودھ اور کھجور نوش جان فرما کر ارشاد کرتے، اس غذا کا نام ''أطیبیـــن'' ہے، یعنی دو پاکیزہ چیزیں، گوشت حضور کو مرغوب خاطر تھا، اس کے حق میں ارشاد ہے: گوشت قوت سماعت بڑھاتا ہے اور دنیا و آخرت میں سید الطعام ہے (کھانوں کا سردار) اگر میں خدا سے دعا مانگوں کہ ہر روز مجھ کو گوشت کھلائے، وہ قبول فرمائے گا، ثرید (شوربا میں ٹوٹی ہوئی روٹی) گوشت و کدو (لوکی) کا نوش جان فرماتے تھے، کدو آپ کو پسند تھا، فرماتے تھے کہ کدو میرے بھائی یونس علیہ السلام کے درخت کا پھل ہے (حضرت یونس علیہ السلام جس وقت مچھلی کے پیٹ سے دریا کے کنارہ باہر آئے ہیں، اسی درخت کے سایے میں آرام گزیں ہوئے) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب سالن پکایا کرو، کدو اس میں ڈال دیا کرو کیونکہ کدو مقوی دل ہے۔

حضور نبوی کے واسطے اگر کوئی پرند جانور شکار کر کے لاتا تو حضور اس کا گوشت تناول فرماتے، البتہ آپ نہ نفس نفیس شکار کھیلنے تشریف نہ لے جاتے، لیکن صحابہ کو حکم

فرماتے کہ شکار کر لاؤ، گوشت کھاتے وقت حضور سرور عالم پیالہ پر نہ جھک جاتے بلکہ گوشت کو اٹھا کر دانتوں سے جدا جدا کر کے کھاتے، روٹی روغن کے ساتھ کھاتے، بکری کے دست سے شوق تھا، شانہ بھی مرغوب طبع ہمایوں تھا۔

سرکہ رغبت کے ساتھ نوش جان فرماتے اور ارشاد فرماتے: سرکہ اچھا سالن ہے، کھجور کی ایک قسم عجوہ نام حضور کو محبوب تھی، خالص اس قسم کے حق میں دعائے برکت فرمائی اور اس کی تعریف میں ارشاد فرمایا: ''عجوہ بہشتی میوہ ہے'' اس میں زہر و جادو سے شفاء ہے۔

سبز ترکاری میں: کاسنی، جنگلی تلسی، قرفہ کا ساگ پسند تھا، بکری کے گردے اس خیال سے تناول نہ فرماتے کہ پیشاب گردوں میں ہو کر گذرتا ہے (یعنی مائیت بول جگر سے منفصل ہو کر گردوں میں ہوتی ہوئی مثانہ میں جمع ہوتی ہے) بکری کے اجزاء میں سات چیزیں نہ کھاتے: عضو تناسل، مثانہ، پتہ، انثیین، غدود، شرمگاہ، خون۔

دیگر اشیاء خوردنی سے لہسن، پیاز، خام گندنا، بدبو دار ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کھاتے، کبھی کسی کھانے کو برا نہ کہتے، اگر پسند آیا کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا اور دوسرے کھانے والوں کو اس کے کھانے سے نہ روکا، حضور سرور عالم نے گوہ اور جانوروں کی طحال (تلی) نہ کھائی، لیکن اپنی امت پر حرام بھی نہ فرمایا، حضور بعد فراغت طعام برتن خوب صاف کر کے چاٹ لیتے تھے اور فرماتے کہ اس طرح چاٹنے میں برکت ہے، کھانا کھا کر انگلیاں چاٹ کر صاف کرتے اور چاٹنے سے پہلے رومال سے نہ پوچھتے اور ارشاد فرمایا کرتے، خدا جانے کس انگلی میں برکت ہے، کھانے سے فارغ ہو کر یہ دعا مانگتے:

اللھم لک الحمد أطعمت و أشبعت وسقیت وأرویت لک

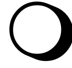
الحمد غير مكفور ولا مودع ولا مستغنى عنه۔

خداوندا! تیرا ہی شکر ہے، تو نے کھانا کھلایا، پیٹ بھر دیا، پانی پلایا، سیراب کر دیا، تیری ہی تعریف وشکر ہے، اس کے بعد کفرانِ نعمت ہم سے نہ ہو اور نہ تیرے انعام سے باز رکھے جائیں اور نہ ہو جائیں اس سے بے پرواہ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گوشت وروٹی کھاتے تو بعد فراغت پانی سے ہاتھ دھوتے اور باقی تری پانی کی منھ پر مل لیتے، پانی پینے میں عادت شریفہ تھی کہ تین بار کر کے پیتے تھے، اور ہر مرتبہ بسم اللہ کہتے اور آخر میں تین بار الحمد للہ زبان مبارک سے فرماتے، پانی یکبارگی نہ پی جاتے بلکہ تھوڑا تھوڑا گھونٹ گھونٹ کر کے پیتے، اور کبھی یکبارگی بھی پانی نوش جان فرماتے، پانی پیتے وقت کٹورے سے منھ سے لگائے ہوئے سانس نہ لیتے، بلکہ اگر سانس نہ لیتے بلکہ سانس لینا ہوتا تو طرف منھ سے علیحدہ کر کے سانس لیتے، بعد فراغت بچا ہوا پانی صحابہ میں سے جو داہنے ہاتھ پر ہوتے ان کو مرحمت فرماتے اور اگر ایسا موقع پیش آتا کہ بائیں طرف کوئی صاحب ذی مرتبہ ہیں اور حضور کو منظور ہے کہ بقیہ پانی انہیں کو عطا ہو تو داہنے ہاتھ والے سے ارشاد ہوتا، سنت تو یہی ہے کہ یہ پانی تم کو دوں، ہاں اگر تم اجازت دو تو فلاں شخص کو دیدوں۔

ایک مرتبہ حضور نبوی کے سامنے ایک پیالہ دودھ وشہد کا آیا، آپ نے نوش جان فرمایا اور ارشاد ہوا کہ ایک برتن میں دو شربت (شہد و دودھ) دونوں باہم ملائے گئے ہیں، ان کو حرام نہیں کہتا، لیکن میں فخر کو نہیں چاہتا اور حاجت کے علاوہ دنیا کی چیز کا حساب جو قیامت کو پیش ہوگا اس سے ڈرتا ہوں، مجھ کو تواضع پسند ہے؛ کیونکہ جو کوئی خدا کے واسطے تواضع کرتا ہے حق تعالیٰ اس کو سرفرازی عطا فرماتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل بیت سے اپنے ہی گھر میں کھانا مانگتے، حجاب

وتکلف ہوتا تھا، گھر والے حضور کے سامنے کھانا رکھ دیتے جو کچھ ما حضر آپ کے روبرو لاتے، تناول فرماتے، کبھی ایسا ہوتا کہ بغیر اس کے کہ گھر والوں سے کہیں اور ان کو تکلیف دیں، خود بذات خاص اپنے ہاتھ سے کھانا لے کر نوش جان فرماتے، بیشک یہ مہربانی حضور اقدس کی من جملہ آثارِ رحمت نبوی ہے۔



رَسُوْلُ الرَّحْمَةِ

پیغمبر صاحب رحمت، دونوں عالم میں اپنی امت بلکہ تمام بنی آدم پر مہربان۔

اس رحمت کا ظہور دنیا میں تو یہ ہے کہ سب کو ہدایت و رہنمائی فرما کر تباہی و ہلاکت سے حفاظت کی (اب اگر کوئی آپ کی ہدایت نہ قبول کرے تو اس کا قصور ہے) اور آخرت میں عذا دوزخ سے نجات دلوانا اور بہشت کی دائمی نعمتوں تک پہنچا دینا ''نبی الرحمة'' بھی حضور کا نام ہے؛ چنانچہ آگے مذکور ہوگا، حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ''وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ'' اے محمد! ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام مخلوقات کے واسطے رحمت ہی کر کے بھیجا، یعنی انسان، چرند و پرند تمام ذی روح ک حق میں آپ کی ذات رحمت تامہ ہے، قبل اس کے ذکر سیر شریف میں دلائل رحمت نبوی مجملاً مذکور ہو چکے ہیں، کچھ یہاں بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

روایت ہے کہ جس وقت جنگ احد میں کفار تبہ کار نے غلبہ کر کے بعضے اصحابِ کبار کو شہید کیا، خود حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے، قریب تھا کہ لشکر اسلام کو شکست ہو، صحابہ کرام نے ایسی حالت میں بے تابی میں خدمت نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ! درگاہِ الٰہی میں دعا کیجئے کہ دشمنانِ حریف مقہور و مغلوب ہوں، آنحضرت

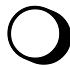
صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ”مجھ کو بد دعا کرنے نہیں بھیجا ہے“۔

اس کے بعد برخلاف خواہش یاروں کے حضور رحمۃ للعالمین نے ان ظالم دشمنوں کے حق میں دعائے مغفرت کی جس میں حسن معذرت کا پہلو بھی تھا وہ دعا یہ ہے: ”**اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ لِقَوْمِیْ وَاھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ**“ خداوندا! میری قوم کو بخش دے اور ان کو ہدایت کر، وہ جاہل و نادان ہیں، نہیں جانتے۔

(سبحان اللہ کیا شانِ رحیمی ہے، اپنے دشمنوں کے واسطے دعائے مغفرت و ہدایت اور ان کی طرف سے عذر خود ظاہر کرنا کہ یہ سب لوگ نادان و ناواقف ہیں، تیرے رسول کے رتبے سے بے خبر ہیں)۔

در باب کمال رحمت نبوی منقول ہے کہ کسی وقت کسی متبرک مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی یاد سے غافل نہ رہتے تھے، مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، بالائے عرش بریں، مقام قاب قوسین غرضیکہ ہر جگہ یاد فرمایا ہے، شب معراج میں بوقت عرض تحیت وسلام خاص مقام قرب میں اس طرح ارشاد فرمایا: ”**السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین**“ فردائے قیامت میں جس وقت کہ پیغمبران اولوالعزم ہول محشر سے نفسی نفسی پکاریں گے، ہمارے آقائے نامدار گرامی قدر کی زبان مبارک پ ”**امتی، امتی**“ ہوگا اور ہم گنہگاروں کی شفاعت کا آپ ہی بیڑہ اٹھائیں گے۔

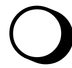
روایت ہے کہ کسی صحابی نے عرض کیا کہ اے رسول خدا! آپ گنہگارانِ امت کے پشت و پناہ ہیں، معراج کی رات امت کو فراموش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: خبردار یہ خیال نہ کرنا، میں اپنی امت کو اس وقت ہرگز نہ بھولا ”**السلام علینا**“ (سلام ہم سب پر) میں نے ان کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا ہے، بیشک عنایاتِ رحمۃ للعالمین سے یہ لطف وکرم بعید نہیں۔



قَیِّمُ

قاف کو زبر، ی کو تشدید وزیر بمعنی نگہبان، بندگانِ خدا کے کام سرانجام دینے پر قائم، ان کی بخشش و مغفرت کے کارساز۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بندگانِ خدا کی حاجت برآری، ان کی مراداتِ دلی پوری کرنا، بخیال حاجتمند، نماز نوافل میں تخفیف کرنا، سیر و عادات میں گذر چکا ہے اور کل بروز قیامت سب سے اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف سے اٹھیں گے، یہ بھی محض واسطے تدبیر بے کس عاجزوں میدانِ قیامت میں مبتلائے ہول حساب و کتاب ہونے والوں کے واسطے نجات دلانے کے لیے ہوگا؛ کیونکہ آقا و سردار اپنے ملازموں اور غلاموں کے حال سے کسی خال اور کسی میں بے فکر نہیں ہوتا اور جس طرح گلہ بان اپنی متفرق و منتشر بکریوں کو جمع کرتا ہے تاکہ کوئی ادھر ادھر بھٹک کر نہ رہ جائے، فردائے قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے راہانِ جماعت اپنی کو جو کہ شامت تفریط و افراط اعمال سے خارج از جادہ اعتدال ہو گئے اور اس وقت پریشان حال و بدحواس، مضطر و ششدر ہوں گے، جمع کر کے ان کی دلی آرزوں و مرادوں کے پہنچا دیں گے۔



جامعُ

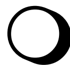
احکامِ شریعت کو اسرارِ طریقت کے ساتھ جمع کرنے والے، یا صفات بشری و صفاتِ الٰہی دونوں کو جمع کرنے والے، اصطلاح صوفیہ میں اس جامع کو برزخ جامع کہتے ہیں، یا جمال صورت و کمال معنی، یا طہارتِ ظاہری و باطنی یا احوال قبض و بسط، یا ملک

الموت، یا شیرینی گفتار وسحر حلال کے جمع کرنے والے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا'' بعض بیان جادو ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع علم و عمل، خوف ورجا ہیں، یا آپ کے کلمات جوامع الکلم (الفاظ قلیل اور معنی کثیر) ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:''اوتیت جوامع الکلم'' میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں، اس پر دلیل ہے، یا آپ ان فضائل وخصائل کے جامع ہیں جو تمام انبیاء کرام کو جداگانہ عطا ہوئے، یعنی سب فضائل وکمالات بتمامہ وکلیۃ آپ کی ذات پاک میں موجود ہیں، یا اس معنی کے جامع ہیں کہ صفات اضداد جیسے صلح وجنگ، حلم وغضب، نرمی ودرشتی، ذات برکات میں جمع تھیں اور ہر ایک صفت اپنے موقع پر ظاہر ہوتی تھی، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع جماعات عبادات تھے، جیسے نماز، حج بیت اللہ، جہاد فی سبیل اللہ۔

حدیث نبوی ''علیکم بالجماعة'' جماعت کو لازم پکڑو، اس پر دلیل ہے، ''والصلاۃ جامعة'' نماز جمع کرنے والی ہے یعنی متفرق لوگ نماز کے وقت مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، اسی طرف اشارہ ہے یا حضور پرنور فقر ظاہر وغناء باطن سے جامع ہیں، یا تدبیر معاش ودنیا وآخرت دونوں کی آپ کو حاصل تھی، آیت کریمہ ''وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی'' توشۂ آخرت جمع کرو کیونکہ بہتر توشہ تقویٰ وپرہیزگاری ہے، اسی دعوے پر دلیل ہے۔

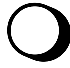
اور نیز حدیث شریف ''لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا بنی مرسل'' مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت ہے کہ اس میں کسی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل کی گنجائش وسمائی نہیں ہے، اس بیان کی مخبر ہے، غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کمالات میں کوئی شک نہیں ہے۔



مُقْتَفٍ

اقتفا سے مشتق ہے، بمعنی پیروی کرنا، یعنی سب پیغمبروں کے پیچھے آنے والے یا احکام الٰہی کی پیروی کرنے والے۔

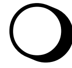
روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں فرمایا کرتے تھے، خدایا میری صورت وسیرت نیک کر، کبھی یہ دعا فرماتے، خداوندا! اخلاق بد سے دور رکھن، اللہ جل شانہ نے دعا آپ کی قبول فرمائی؛ کونکہ آیت کریمہ "اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا، دعا قبول کرنے کا وعدہ ہے، پھر قرآن پاک ایسا کلام معجز ہر وقت کا استاذ کامل "هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ" پرہیز گاروں کی ہدایت، اس کی شان، آپ پر نازل ہوا، جس کی تلاوت جس کی تلاوت و پیروی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہذب و کامل آداب ہو گئے۔



مُقْفٍ

یہ لفظ قفا سے مشتق ہے یا مادہ اس کا قفاوت ہے بمعنی لطف وکرم ہے۔

حدیث شریف میں ہے "انا المقفی" ف کو زیر اور بعض زبر کہتے ہیں، یعنی پیچھے آنے والے، علماء دین کا قول ہے کہ عالم شہادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام کے بعد تشریف لائے، مگر عالم غیب میں جمیع موجودات عالم سے پہلے آپ موجود ہوئے ہیں، "اول ما خلق الله نوری" مخلوقاتِ خدا میں سب سے اول میرا نور ہے کنت نبیا وآدم بین الماء والطین" میں اس وقت نبی تھا کہ آدم کا وجود ہی نہ تھا، ہنوز وہ پانی اور مٹی میں تھے، یہ دونوں احادیث نبوی اس پر اشارہ کرتی ہیں۔



رسول الملاحم

پیغمبر آنے والے، لڑائی طلب کرنے والے، ملاحم جمع ملحمۃ، لڑائی کو کہتے ہیں۔

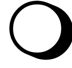
غزواتِ نبوی کتب سیر میں بالتفصیل مذکور ہیں، منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستائیس بار کافروں کی لڑائی کا اتفاق پڑا اور آپ بتائید خداوندی ونصرت ملائکہ ہر مرتبہ مظفر ومنصور ہوئے اور بعد وفاتِ نبی اصحاب کبار نے سینتالیس جہاد کیے، بعض لڑائیاں ان میں فرقۂ مرتدین کے ساتھ ہوئی ہیں۔

احیاء العلوم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شجاعت میں بے نظیر تھے، حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جب جنگ بدر میں آتش جنگ خوب شعلہ زن ہوئی، ہم لوگ صحابہ کا یہ حال تھا کہ خوف سے حضور کے پہلو میں لگے رہتے تھے اور اس روز حضور کو یہ جوش مردانگی تھا کہ ہر مرتبہ ہر حملے میں دشمن کے پاس پہنچ جاتے تھے، اس معرکہ میں مثل آپ کے کسی سے آثارِ شجاعت نمایاں نہ ہوئے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آغازِ جنگ سے قبل خاموش رہتے تھے، اور جب لڑائی چھڑ جاتی، دامن کمر سے باندھ کر حضور معرکہ جنگ میں تشریف لے جاتے، اس وقت آپ کی مردانگی انتہا درجہ کی ہوتی، صحابہ کرام سے جو شخص حضور نبوی کے قریب کھڑا ہوتا وہ سب میں دلیر و بہادر سمجھا جاتا، کیونکہ جناب رسول مقبول بہادرانہ دشمن پر حملہ فرماتے اور ان کے لشکر کو تتر بتر کر دیتے۔

عمران بن حصین راوی ہیں کہ ہر جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول تلوار سے لڑتے، اخبار میں ہے کہ جب مشرک موقع جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیتے تو حضور سواری سے اتر پڑتے اور یہ رجز پڑھتے ''انا النبی لا کذب و انا ابن عبد المطلب'' میں سچا ہوں، عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، ایسے وقت پر کہ جنگ میں آپ سے بڑھ کر لڑنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔



رسول الرحمة

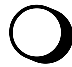
راحت وآرام بخشنے والے پیغمبر۔

حق تعالیٰ نے امت مرحومہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سختیوں سے جو انبیائے سابقین کی امتوں پر معاف نہیں رکھا، جیسے گنہگار کے بازو کاٹ ڈالنا، کپڑے میں نجاست بھر جائے تو وہ جگہ مقراض سے کتر دو، ایسے احکام سخت امت موسوی میں تھے، ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع میں یہ سختی نہیں ہے، ذات گرامی حضور نبوی وسیلہ نجات آخرت و ذریعہ دخول جنت ہے، اس شرع میں شریف وسنت تابان وروشن میں کس قدر آسانی ہے تکلیف کا نام نہیں، افسوس اس کے حال پر جو یہ آسانی وسہولت ترک کر کے راہِ دشوار گذار اختیار کرے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مقتدا انبیاء (جن کی شان میں ہے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو آپ کی پیروی کرتے) کو چھوڑ کر آپ کی اقتداء کو ننگ و عار جان کر دنیا میں قیدی، محنت وبلا اور آخرت میں مستحق عتاب خداوند جل وعلا کا ہو، انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جب قرآن مجید میں اتباع شریعت محمدی کا حکم ہو چکا ''مَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ الخ'' جو رسول تم کو حکم احکام دیں ان کو مانو اور جس سے روکیں باز رہو، ایسا فرمان واجب الامتثال صادر ہو چکا پھر چوں وچرا کرنا کیا معنی۔

حکایت ہارون الرشید

خلیفہ ہارون الرشید کی ہمت پر صد آفریں و مرحبا، درحقیقت اسم بامسمیٰ مرد رشید تھے، لکھا ہے کہ جب اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہا، باوجود منصب خلافت سلطنت کے، علمائے دین سے کہا: اگر بی بی فاطمہ زہرا بنت رسول کا مہر چار سو درہم ہو تو میری لڑکی کا عقد دس درہم مہر سے زیادہ نہ باندھا جائے؛ کیونکہ ہارون مسکین اور سید مرسلین کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔

اے برادر! آنکھیں کھول اور دیکھ اس حکایت پر غور کر، فضول باتوں پر نہ جا، کیا تجھے یہ خیال ہے کہ اتباع سنت نبوی میں تیری کسر عزت و شان ہے، بیشک یہ وسوسہ منجانب شیطان ہے، دربارِ رسالت پناہ سے جن کی صفت خاص رسول الراحۃ ہے منھ نہ موڑ، ورنہ دیکھ کہ سرگرداں و پریشان رہے گا اور خدانخواستہ ایمان سے محروم سفر آخرت پیش آئے گا، پھر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔



کَامِلٌ

سب چیزوں میں جملہ صفات میں بصفت کمال موصوف نقصان سے پاک۔

خوبی سیرت، حسن صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدرجۂ کمال تھا، حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطے کامل ہوئے کہ دنیوی تکلفات و آرائش پر کبھی نظر انور نہ پڑی؛ کیونکہ اس میں نقصان دین متصور ہے، دولت آخرت کو دولت دنیوی جلد جانے والی پر ترجیح دی، دنیائے فانی جو کہ خدا کے نزدیک مچھر کے برابر بھی نہیں، حضور کی نگاہوں میں بے قدر ہی رہی، حضور کی عقل و دانش کی انتہا کو کون پا سکتا ہے اور اس

کی نسبت کوئی کیا بیان کرے، خدائے تعالیٰ نے ننانوے حصے عقل جناب رسالتمآب کو عطا کی اور ایک حصہ تمام بندگانِ خدا کو ملی، یہ مضمون حدیث شریف سے ماخوذ ہے۔

باغباں نے جو ترے چہرۂ وقد کو دیکھا ☆ نہ صنوبر سے رکھا عشق، نہ گل سے الفت

اگر کوئی فلسفی حکمت و فلسفہ دان چاہے کہ گوہر دانش جناب رسالت مآب کو میزانِ نظر میں تولے کبھی ممکن نہیں کہ اس کی ماہیت کما حقہ دریافت کر سکے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی عقل و دانش اس سے بڑھ کر ہے کہ علماء وحکماء ظاہر بیں کے ذہن نقاد میں سمائے، البتہ صاحبانِ حکمت ایمانی، علمائے ربانی، بہدایت الٰہی بحر ذخار علم و دانش سید مختار سے حصہ وافر حاصل کرتی ہیں، اور ذات گرامی صفات جناب رسالت مآب سے کہ درحقیقت معدن علم و دانش ہے استفادہ کر کے دعوت خلق میں مشغول ہوتے ہیں، اکثر مقولات ان بزرگوں کے مشتمل بر: ''قال اللہ و قال الرسول'' ہیں، یعنی خدا اور رسول نے ایسا فرمایا، یہ حکم دیا ہے، یہ امر ہے، یہ نہی، یہ بشارت ہے، یہ تخویف، یہ وعدہ ہے یہ وعید۔

جاننا چاہیے کہ حکیم اس شخص کو کہتے ہیں جو راست گفتار، درست کردار ہو، اس کے اقوال وافعال شرع شریف کے مطابق ہوں، اس وصف حکمت کا مستحق وسزاوار وہی انسان کامل ہے کہ اصول وفروع شرع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا پورا آگاہ ہو، عقائد سیئہ، کفر زندقہ، شر وفساد، اخلاقِ ذمیمہ سے محفوظ ہو اور نورِ علمی وصفائی قلب کی برکت سے وقائق وغوامض، حکمت ایمانی وشرع نبوی کی تہ تک پہنچا ہو، آئمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کا پیرو ہو، اپنے نفس اور اس کی خواہشوں کا مخالف ہو، آیت کریمہ ''فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوۡا الصَّلَاةَ، الخ'' پھر ان کے بعد ایک گروہ آیا جنہوں نے نمازیں ضائع و برباد کیں اور خواہشاتِ نفسانی کے پیرو بنے، قریب ہے کہ ان بداعمالی کی سزا میں گرفتار عذاب جہنم ہوں گے، یہ کلام پاک بے نمازیوں کی خرابی،

ممنوعات شرعیہ کے جال میں پھنس کر محرمات کے مرتکب ہونے والوں کی بربادی بیان کررہاہے۔(خداسب مسلمانوں کو عذابِ اخری سے بچائے۔آمین آمین)

تواضع جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال سے متعلق چند سطریں لکھی گئیں؛ لہٰذا اس مقام پر یہ بھی ظاہر کردینا مناسب ہوگا کہ حضور اقدس باوجودیکہ مقبول بارگاہِ صمدیت تھے، کمالات روحانی وجسمانی میں بے مثل و بے نظیر، مگر آپ نے بوجہ کمال مکارم اخلاق کے کمال تواضع ہی اختیار فرمائی اور باوصف سیادت وسرداری کے عام امت مرحومہ کے ساتھ برادرانہ برتاؤ تھا، ہر کس و ناکس سے اس طرح پیش آتے جس طرح کوئی اپنے حقیقی بھائی سے، چنانچہ شرح لفظ سید میں قدرے خصائل شریفہ اوپر گذرے ہیں۔

فروتنی است دلیل سب کردمان کمال ☆ کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود

درحقیقت جو بامرتبہ ہیں وہ عجز وانکساری سے چلتے ہیں، اور قاعدہ کی بات ہے کہ سوار مسافر منزل مقصود پر پہنچ کر پیادہ پا ہوجاتا ہے۔

روایت ہے کہ بعضے اصحاب نے خدمت نبوی میں عرض کیا، ہم کو اجازت ہو کہ ہم آپ سجدہ کیا کریں (کیونکہ ملک فارس وغیرہ میں رعیت بادشاہِ وقت کو سجدہ کیا کرتی ہے) حضور نے جواب دیا: خبردار یہ نہ کرنا، اگر سجدہ برائے غیر خدا درست ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

حدیث شریف کا مضمون ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا اکرام وحرمت کرو، بھائی سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کمال تواضع کے ساتھ معروف تھے۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست ☆ گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

بیشک تعریف اسی میں ہے کہ باوجوہِ کمال رعب، داب شاہی کے متواضع و منکسر المزاج ہو ورنہ فقیر عاجزی نہ کرے تو کیا کرے۔

حدیث مذکور میں جو یہ لفظ ہے کہ ''اپنے بھائی کا اکرام کرو'' اہل ایقان نور ایمانی وحکمت یزدانی سے بخوبی سمجھتے ہیں کہ اس میں اتباع سنت نبویہ کی جانب اشارہ لطیف ہے؛ کیونکہ تارک سنت باوجود نقصان دنیا وآخرت کے مؤاخذہ میں گرفتار ہوگا اور وہ مؤاخذہ شانِ رسالت کی توہین وتنقیص ہے، اگر تارک سنت کے دل میں ذرہ برابر بھی حرمت وجلالت جناب نبوی ہوتی تو سنت کیوں ترک کرتا، علاوہ بریں حدیث میں ہے کہ جملہ بندگانِ الٰہی میری امت والے بہشت میں داخل ہوں گے، البتہ جس نے انکار کیا وہ محروم رہے گا، صحابہ نے دریافت کیا حضرت! وہ کون ایسا شخص ہے فرمایا: ''من ترک سنتی فقد ابیٰ'' جس نے عمداً میری کسی سنت کوترک کیا اس نے میرا انکار کیا، اور منکر حضرت نبوی بہشت میں ہرگز نہ جائے گا، بلکہ عذابِ دوزخ میں گرفتار رہے گا، نعوذ باللہ منہا۔

جاننا چاہیے کہ اسلامی برادری کا ثبوت قرآن شریف میں صاف طور ہے، اور اس کا انکار امر بدیہی کا انکار ہے، آیت کریمہ ''**اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ**'' سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں میں صلح کرادو، یعنی اگر اتفاقیہ رنج وکدورت دو مسلمانوں میں ہو تو صفائی کرادینا اور مسلمانوں کا فرض منصبی ہے، غیبت وبدگوئی سے کن الفاظ میں منع فرمایا ہے ''**أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا**'' کیا تم میں کوئی دوست رکھتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، غیبت کرنے کو گوشت کھانے کے برابر ارشاد فرمایا۔

احادیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کبار مہاجرین وانصار کے درمیان عقد مؤاخات، رشتہ برداری قائم کردیا تھا اور وہ سب باہم مثل رشتہ دار بھائیوں کے رہتے تھے، اکثر حضور ارشاد فرماتے: فلاں اپنے بھائی کے ساتھ ایسا کر، ایسا نہ کر، یزا ثنائے گفتگو فرماتے، اس کا مسلمان بھائی، تیرا مسلمان بھائی، اور جب کسی مردہ کے دفن سے فارغ ہوتے یہ فرماتے، اپنے بھائی مسلمان کے حق میں دعائے خیر کرو، وہ اس وقت سوال وجواب منکر ونکیرین میں ہے۔

الغرض ان دلائل وشواہد سے اسلامی برادری مابین اہل اسلام بیشک وشبہ ثابت ہوتی ہے؛ لہٰذا اس رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا ہر ایک مسلمان پر واجب ولازم ہوگیا، یہاں تک تو دینی بھائی ہونے کا بیان اور اس کے دلائل تھے، اب دینی باپ، دینی بیٹا، اس کے ثبوت میں احادیث ذیل میں ملاحظہ ہوں:

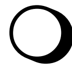
حدیث شریف میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: باپ تین قسم کے ہیں، کسی نے عرض کیا: اے حضرت! وہ کون ہیں؟ (ہم لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ باپ تو ایک ہی ہوتا ہے) ارشاد ہوا: تین باپ تمہارے یہ ہیں، ایک جس کے نطفہ سے تم پیدا ہوئے، دوسرا جس نے تم کو پڑھایا، سکھایا، تیسرا جس نے اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دی، پھر ارشاد ہوا، ان تینوں میں بہتر باپ وہ ہے جس نے تم کو سکھایا، علم وہنر تعلیم کیا، اخلاق جلالی میں ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم علمائے امت کے باپ ہیں، کیونکہ حضور ہدایت وتعلیم علم دین کی وجہ سے پدر مہربان کے حکم میں ہوئے، اب آپ کی تعظیم وتکریم بلحاظ حق پدری بھی واجب ہوئی۔

جاننا چاہیے کہ موافق ترتیب مذکورہ حدیث اول: باپ کا درجہ مقدم ہے، پھر استاذ کا مرتبہ بعدہ خسر کا رتبہ ہے۔

دوسری حدیث سے استاذ کی بزرگی باپ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ استاذ کے حق میں خیرالآباء (یعنی بہترین پدران) آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ نے تو شفقت ومحبت فطرتی سے پرورش کیا، مگر استاذ نے بلاتعلق رشتۂ محبت اپنی جان کھپا کر علم دین، حسن ادب واخلاق تعلیم کیا، پھر اگر استاذ کا مرتبہ باپ سے بڑھ گیا تو عجب کیا۔

از خدا خواہد توفیق ادب ☆ بے ادب محروم شد از فضل

ہاں ادب کا یہی مرتبہ ہے اور یہ ایسی ہی نعمت ہے، بے ادب فضل خدا سے محروم در بدر خوار و پریشان ہے اور جس کو خداوند عالم بزرگیِ دین و دنیا میں کامل کرتا ہے، لوگ اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔



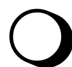
اِکْلِیلٌ

تاجِ زریں ومرصع۔

جس کو شاہان والا گوہر زیب وزینت کی غرض سے اپنے سروں پر رکھتے ہیں اور جب ذات گرامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشرف موجودات وسبب آرائش عالم اور عزت بخش بنی آدم ہے تو حضور پر نور اس صفت سے متصف ہوئے۔

ہوئی آپ کی قدر ایسی بلند ☆ کہ نام مبارک ہوا تاجِ سر

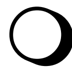
اور صرف اسی قدر نہیں کہ نام نامی سرداروں کا تاج سر بنا بلکہ خدائے پاک نے اپنے کلام قدیم کی بعض سورتوں کے اترنے پر آپ کے نام مبارک کا تاج دھر دیا، جیسے: طٰہٰ، یٰسین۔



مُدَثِّرٌ

لباس در بدن کپڑے پہنے ہوئے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ میں کوہِ حرا پر تھا کہ کسی نے مجھ کو پکارا، میں نے اپنے داہنی اور بائیں طرف مڑ کر دیکھا، مگر کوئی آواز دینے والا مجھ کو نظر نہ آیا، پھر میں نے اوپر سر اٹھا کر نگاہ کی تو دیکھتا ہوں کہ ایک فرشتہ آسمان وزمین کے درمیان معلق ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، میں اس کو اس وضع سے دیکھ کر دل میں ڈرا اور وہاں سے اپنے گھر چلا آیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو (سردی معلوم ہوتی ہے بس اسی حالم یں اوڑھے لپیٹے تھے کہ) حضرت جبرئیل آسمان سے اترے، اور سورہ مدثر کی اول آیت تا ''فَاھْجُرْ'' پڑھی، ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اے کپڑے لپیٹے ہوئے (پیارے حبیب) اٹھیے اور ہمارے بند کو عذابِ آخرت سے ڈرائیے اور خدا کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے لباس کو پاک کیجئے اور تمام برائیوں سے دور ہو جائیے، بعضے مفسرین مدثر کے معنی بیان کرتے ہیں کہ مراد اس سے خلعت ولباسِ رسالت ہے، یعنی اے رسول جو کہ جامۂ نبوت پہنے ہو، اب وقت آ گیا اٹھ کر خدا کے کام (تبلیغ رسالت) میں مصروف ہو۔



مُزَمِّلٌ

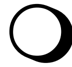
کمل پوش، لحاف اوڑھے ہوئے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ جب ہیبت وحی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں لرزہ پیدا ہو گیا تو حضور نے لحاف اوڑھ لیا، حق تعالیٰ نے اسی ہئیت کذائی

کے ساتھ خطاب کیا اور ارشاد ہوا ''یٰـا اَیُّھَـا الْمُـزَّمِّلُ'' تا آخر آیت، یعنی اے بندہ خاص کپڑے اوڑھے ہوئے، آدھی رات کو اٹھیے یا اس سے کم ہو یا قدرے زائد، اور قرآن شریف کی صاف صاف تلاوت کیجئے، تاکہ سننے والا بخوبی سمجھ سکے، اس آیت میں قیام نیم شب سے اشارہ ہے کہ نماز تہجد ادا کریں، یہ آپ پر فرض تھی، اور بکمال اہتمام ادا فرماتے تھے، بیویوں کی صحبت میں بھی تہجد سے غافل نہ ہوتے تھے، مفسرین کا قول ہے کہ سورہ مزمل، مدثر، سورہ اقراء ابتدائی وحی آسمانی ہیں۔

احادیث میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول مرتبہ حضرت جبرئیل کو مابین زمین و آسمان معلق دیکھا تھا اس وقت حضرت جبرئیل کے چھ سو پر تھے، آپ اس صورت میں دیکھ کر ڈر گئے اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لا کر فرمایا مجھ کو لحاف اوڑھا دو، جب آپ کو فی الجملہ سکون ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی کے ساتھ نازل ہوئے اور ''یٰا اَیُّھَاالْمُزَّمِّلُ'' تا آخر آیت پڑھ کر سنائی۔

تفسیر بیضاوی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص سورہ مزمل پڑھتا رہے گا، خداوند کریم دین و دنیا میں اس کو غنی کر دے گا اور اس کا افلاس دور ہو جائے گا۔



عَبدُ اللّٰہ

بارگاہ کبریا کا خاص بندہ، وصف بندگی میں بے نظیر ولا ثانی۔

لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفت عبدیت سے بہت خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے مجھ کو بداللہ (خدا کا بندہ) کہا کرو، مزرع الحسنات میں ہے: نماز تہجد میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ رات کو کھڑے رہتے تھے کہ دوسرے

کی مجال نہ تھی جو اس قدر دیر تک کھڑا ہو سکے، درازیِ قیام سے پائے مبارک حضور اقدس پر ورم آ جاتا تھا، چونکہ عبدیت آپ کی کامل طور پر تھی اور یہ کثرت عبادت و شب بیداری اس کے آثار و علامات ہیں، حق تعالیٰ نے اسی صفت کاملہ یعنی عبدیت و خوبی عبادت کے اظہار میں بیان قصۂ معراج میں اس طرح ارشاد فرمایا: ''سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا۔ الخ'' پاک ہے وہ جس نے اپنے بندہ کو رات کے وقت سیر کرائی۔

اس آیت پاک میں لفظ عبد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال محبوبیت پر دلیل روشن ہے (کیونکہ جس درجہ عبدیت میں کامل اسی قدر محبوبیت میں اعلیٰ و ارفع) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے وقت فرمایا کرتے تھے، میں اس طرح کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور اس ہیئت پر بیٹھتا ہوں جیسے کوئی بندۂ خدا بیٹھتا ہے، جان اے برادر عزیز! بندۂ خدا اور بندۂ نفس دوسرا ہے، بندۂ خدا مقرب درگاہِ رب العزت ہے، بندۂ نفس محروم نظر رحمت ہے، بندۂ خدا کی صفت یہ ہے کہ ہر حال میں صابر و شاکر رہے، آیت کریمہ ''اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ'' اے آل داؤد! شکر کرنا اپنی عادت و عمل کرو، اور میرے بندوں میں تو تھوڑے ہی شکر گذار ہیں (بندگانِ خاص کی صفت میں شکور فرمایا ہے) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ بندۂ خاص بارگاہِ کبریا ہیں اور ان کا لقب مصطفیٰ و مجتبیٰ ہے زبان شاکر اور دل ذکر رکھتے تھے، ایک دم یادِ خدا سے غافل نہ ہوتے، بظاہر کسی وقت سوتے حضور کا سونا بھی عین عبادت تھا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: میری آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا (وہ ہر وقت بیدار اور یادِ خدا میں مشغول ہے)۔

روایت ہے کہ کسی نے خدمت نبوی میں عرض کیا حضور! کیا وجہ ہے کہ جسم مطہر میں علامات بڑھاپے کی نمودار ہوئیں، سر اور داڑھی کے بال جلد سفید ہو گئے، ارشاد

فرمایا: یاروں! کیا کہوں، ''سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، عم یتسائلون، اذا الشّمس کورت'' ان میں ہول قیامت وعذاب آخرت مذکور ہے، بس اسی ہول وترس سے میں بوڑھا ہو گیا، کمر ہو گئی، طاقت جاتی رہی۔

اس مقام پر ضرور ہے کہ حدیث صحیح ''**انا اخشاکم و اتقاکم له**'' کے معنی ذکر کیے جائیں تاکہ یہ عقدہ مشکل حل ہو، معنی حدیث شریف یہ ہیں، میں تم لوگوں میں زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، اور تقویٰ میں تم سب سے بدرجہا بڑھا ہوا ہوں، صفت عبدیت سے شانِ مبارک بلند و رفیع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے پارسا بندوں کو بہ صفت عباد الرحمٰن (رحمٰن کے بندے) یاد فرماتا ہے، (یوں تو سبھی عباد اللہ ہیں مگر کسی معزز بندہ کو عبداللہ فرمانا اس کی خصوصیت و بلند پائیگی کی دلیل ہے)

منجملہ کرامات و بزرگی اسم مبارک عبداللہ یہ ہے کہ اس ترکیب اضافی میں صفت ربوبیت خداوند عالم ہر طرح عموماً وخصوصاً ثابت ہے، یعنی زمین وآسمان کا مالک ایک ایسا بادشاہ صاحب جلال ہے کہ اس کے خاص بندے بھی ہیں اور عام بھی، اور سب بندے اس کے انعام واحسان کے گرد ہیں، اس کے لطف عام نے سب کو اس کا قیدی بنالیا ہے؛ بلکہ تمام مخلوقات ذرہ ذرہ اس کی نظر رحمت کی پروردہ ہے اور اس کی قدرت کے احاطہ میں گھری ہوئی ہے اور جس قدر بادشاہان روئے زمین وحاکمانِ باشوکت و جاہ اسی ذات وحدہ لاشریک لہ کے ساختہ و پرداختہ ہیں، اب اس کے بندوں میں سے اگر کوئی بندہ باصفا آستانۂ الٰہی پر سر عجز رکھے تو وہ سعید ہے، دنیا میں اس کی تائید غیب سے ہوگی، اس کی دولت کے فی الجملہ قیام وقرار ہوگا، آخرت میں وہ بندہ دولت ابدی پاکر ہمیشہ خوشحال و فارغ البال رہے گا اور اگر کسی بندے نے ناشکری اختیار کی اور حق عبودیت ادا نہ کیا، دنیا میں اس کی دولت کو جلد زوال ہوگا اور

وبالِ آخرت میں تا ابدالآباد گرفتار رہے گا۔

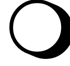
جاننا چاہیے کہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو عبداللہ ہیں، اس میں کوئی شک نہیں مگر آپ کے مجازی بندے ہیں، یعنی حضور کی امت بندگانِ خدائی و شیدائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع وفرمانبردار بندے، یہ لوگ حقیقتاً تو خدا کے بندے ہیں لیکن حضور کی غلامی سے ان کو بھی لقب بندہ بمعنی غلام حاصل ہے، یہ لوگ اطاعت رسول برحق میں اسی طرح سرگرم ہیں جیسا کہ خداوند تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں مصروف ہیں اور جب معلوم ہوا کہ ان بندوں کے دو آقا، دو مالک ہیں گرچہ بحیثیت مختلف ہیں، ان بندوں کا یہی کام وفرض منصبی ہے کہ رات دن تابعداری و خدمتگاری خدائے تعالیٰ و محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مصروف رہیں اور اپنے دونوں آقا، دونوں مالکوں کے احکام بجالانے میں کوتاہی نہ کریں، ایسے بندے ''عبدالنبی'' بھی کہے جا سکتے ہیں اور یہ لوگ نبی سے ایسا ڈرتے ہیں کہ جیسا کہ خدائے کریم سے ہراساں وخائف رہتے ہیں، ان کو زیبا ہے کہ فخریہ کہیں، ہم غلام حلقہ بگوش ہیں، حتی المقدور اپنے دونوں مالکوں کے احکام بجالانے میں کوشش کیوں نہ کریں، آیت کریمہ ''مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، ہمارے واسطے خضر راہ، ہادی کامل کافی ہے۔

فرمانبری است رسم و آئین ما را
در باغچۂ ما گل نافرمان نیست

ہمارا آئین تو فرمانبرداری و اطاعت ہے، ہمارے باغچۂ محبت و اخلاص میں نافرمانی کا پہلو نہیں ہے۔

جو مالک وآقا کہ خداوند عالم سے بدرجۂ غایت دوستی رکھتا ہو، کون ایسا مرد

ایماندار اور عقیدت شعار ہے کہ ایسے آقا کو جان و دل سے نہ چاہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ایسے مالک کے نام پر اپنی جان قربان کر ڈالے۔



حَبِیْبُ اللّٰہِ، صَفِیُّ اللّٰہِ

خدا کے دوست، برگزیدہ بارگاہِ کبریا۔

ایسے ذی رتبہ کہ کارخانۂ تکوین وایجادِ مخلوقات میں "لولاک لما خلقت الافلاک" اگر آپ کا وجود نہ ہوتا تو میں آسمان نہ پیدا کرتا، آپ ہی کی ذات بابرکات علت غائی ہے اور پیدائش عالم سے آپ ہی مقصود اعظم ہیں، یعنی یہ دنیا و ما فیہا، افلاک وغیرہ سب آپ ہی کی ذات پاک کا جلوہ ہے۔

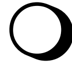
حدیث شریف میں ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اور اپنے کو ظاہر کروں، پس تمام خلائق کو پیدا کیا، یہ حدیث معشر بہ پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے (بیشک معرفت الٰہی بغیر وسیلہ ذات پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکن نہیں) کیونکہ دیدۂ عارف دور بیں میں صرف ایک عاشق کامل، دوست صادق، تمام دوستوں وعاشقوں سے بہتر وافضل ہے۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں، اور اللہ جل شانہ محبوب رسول اللہ، برکت حبیب اللہ کی کس سے بیان ہوسکتی ہے، ادنیٰ یہ ہے کہ بندگانِ خدا سنت نبوی کی پیروی اور آپ کی شریعت پر چلنے سے خدا کی دوستی ومحبت کا مرتبہ پاتے ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ سبحانہ ارشاد فرماتے ہیں "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" الآیۃ، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے کہہ دو کہ اگر تم خدائے پاک کو دل

کے ساتھ دوست رکھتے ہوتو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوست بنا لے گا؛ کیونکہ خدا کی دوستی رسول ہی کی دوستی سے ثابت ہوتی ہے اور دوستی رسول اللہ کی علامت یہ ہے کہ انسان سب سے یکسو ہو کر بصفت ’’کَانَ حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا‘‘ (ایک طرف ہونے والے مسلمان تھے) موصوف ہو جائے اور یہ امر بغیر اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممکن نہیں، اے عزیز باتمیز جبکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ از بس محبت رکھتا ہے اور آپ بے شبہ محبوب بارگاہِ الٰہی ہیں پھر تو کیوں آپ کی محبت اور اس کے بہتر و نیک نتیجوں سے محروم رہتا ہے (افسوس یہ سراسر نادانی وغفلت ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کوئی تم میں ایماندار کامل نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان، اس کے مال اور اس کے تمام گھر والوں، عزیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حاصل یہ ہے کہ کمال ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی پر موقوف ہے اور یہ دوستی اس درجہ غالب ہو کہ اپنی جان و مال، اہل وعیال، زن وفرزند سب سے زیادہ حضور کو چاہے، ہر مسلمان ایماندار کو لازم و واجب ہے کہ اپنا دل و جان حضور اقدس پر فدا کرے اور تعظیم وتکریم ظاہری و باطنی میں کسی طرح کا قصور نہ ہونے پائے، اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے: ’’تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ‘‘ میرے محبوب کی تعظیم وتوقیر پوری طرح ادا کرو اور نتیجہ اس محبت و تعظیم کا یہی ہے کہ ایک قدم راہِ شریعت سے باہر نہ چلے، اب اگر کسی کو دیکھو کہ قصداً شریعت محمد سے باہر نکل رہا ہے تو ایسے کی دوستی ترک کرو، اس سے کلام وسلام نہ کرو، اس کے گھر دعوت کھانے نہ جاؤ؛ کیونکہ ایسے شخص کا ساتھ خوب نہیں، اس کے ساتھ میں ممنوعاتِ شرعیہ ہی پاؤ گے اور اگر اس سے پرہیز نہ کرو گے تو اندیشہ ہے کہ حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری شکایت کرے

گا اور فرمائے گا اے حبیب! تمہیں کیا خبر، اس بے نصیب مرد نے تو دین میں نئے کام ایجاد کیے، شرع میں رخنہ انداز ہوا۔



نَجِیُّ اللّٰهِ، کَلِیْمُ اللّٰهِ

ہمراز وہم کلام خدا کے ساتھ۔

شب معرج میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی رہی اور حق تعالیٰ کی طرف سے یہ خطاب ہوا ”قف یا محمد ان ربک یصلی“ اے محمد ٹھر جاؤ، خدا تم پر درود و رحمت بھیجتا ہے، یہ مضمون آیت کریمہ ”اَوْحیٰ اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی“ اپنے بندہ پر جو کچھ چاہا بذریعہ وحی بھیجا، اسرارِ جبروت وملکوت پر واقف کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے اپنی امت کے واسطے تحفہ لائے، یعنی نماز پنج گانہ جو کہ عابدین امت پڑھتے ہیں اوران کو اس نماز میں معراج وسیر ملکوتی حاصل ہوتی ہے، یہ نماز بارگاہِ رب العزت سے تحفہ عنایت ہوئی اور اس میں نہایت آسانی وخفت کر دی گئی؛ کیونکہ پہلے پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی، آنحضرت کی بار بار شفاعت سے صرف پانچ نمازیں رات دن میں رہ گئیں، مگر بمضمون ”لکل حسنة عشرة امثالها“ ہر نیکی کا دس حصہ ثواب ہے، انہیں پچاس نماز کا ثواب حاصل ہے، نماز کی فضیلت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایاہے: ”الصلاة معراج المؤمنين“ نماز مسلمانوں کی معراج ہے، مگر اس نماز ک صفت یہ ہے کہ نمازی وقت ادائے نماز دنیوی خیالات اور نفسانی وشیطانی خرافات سے اپنے کو باز رکھے اور نماز نہایت انکسار و عجز دلی سے پورے پورے ارکان ادا کر کے پڑھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ اس کو تم دیکھ رہے ہو۔

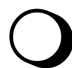
اور نماز اولیاء اللہ کا بیان کتاب مفتاح الصلاۃ میں بخوبی ہے، حقیقت اس نماز کی یہ ہے کہ نمازی اس وقت دنیا و آخرت سے کچھ کام نہ رکھے اور دریائے مکاشفہ میں غرق ہو جائے، تکبیر تحریمہ حقیقتاً یہی ہے جیسا کہ کسی کا قول ہے:

از راہ راست ما وغم او روان شدیم ☆ دنیا و آخرت بہ یمین و یسار ساند

ہم اس کا غم لے کر سیدھی راہ پر چل کر کھڑے ہوئے، دنیا و آخرت دائیں بائیں چھوٹ رہیں، کسی سے کچھ غرض نہ رکھی اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں یہ نکتہ باریک ہے، کہ نماز اس عالم سے دوسرے عالم کی سیر کو چلا گیا تھا اور بارگاہِ الٰہی میں آیت کریمہ ”مَازَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی“ نگاہ اپنی جگہ سے نہ ٹلی اور نہ بے راہ ہوئی، اپنے اور بیگانے کے خیال سے بے خبر تھا، جب اپنے ہوش میں آیا اور دین کے بڑے کام سے فارغ ہوا، فرشتوں، امام اور جملہ نمازیوں کو سلام کرتا ہے تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اب آسمان سے زمین کی طرف متوجہ ہوا ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سلام خوشی کا سلام ہے یعنی اس امانت کے بوجھ سے جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان پہاڑوں نے اعراض کیا اور یہ سبکدوش ہوا، یہ امانت نماز ہے، بقول بعض علماء یا عشق الٰہی ہے، مگر حاصل دونوں کا ایک ہی ہے؛ کیونکہ بے نمازی کو عشق الٰہی سے کیا سروکار، اپنا سر معشوق کے روبرو زمین پر دھرنا اور اس کی درگاہ کی ذلت وخواری موجب سعادت خود جاننا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید ☆ قرعۂ فال بنام من دیوانہ زوند

آسمان جس امانت کے بوجھ اٹھانے سے عاجز رہا، مجھ دیوانہ ہی کے نام قرعہ نکلا، ایسے کلیم اللہ جن کے کچھ کلام مذکور ہوئے وہ اسی قابل ہیں کہ منصب خاتمیت ان کو عطا ہوا۔



خاتم الانبیاء - خاتم الرُسُل

پیغمبروں،رسولوں کے ختم کردینے والے۔

آپ کے بعد کوئی رسول یا نبی نہ گیا، گویا کہ خداوند تعالیٰ کی کچہری میں رجسٹر ارسال پیغمبراں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پر ختم ہوگیا۔

خاتم الانبیاء والرسل ست ☆ دیگراں ہم چو جزواو چو کل است
از پے او رسول دیگر نیست ☆ بعد ازو ہیچ کس پیغمبر نیست

آپ خاتم الانبیاء والرسل ہیں، آپ مثل کل کے ہیں، دیگر انبیاء کرام مثل جز کے ہیں، اسی واسطے آپ کے بعد کوئی رسول یا پیغمبر نہیں آئے، مخفی نہ رہے کہ جس طرح خداوند تعالیٰ کا شریک کوئی نہیں اور عقلاً وجود شریک باری تعالیٰ ممنوع ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ونظیر ناممکن ہے، باوجودیکہ قدرت الٰہی نہایت وسیع، غیر محدود ہے، مگر یہ امر نور ایمانی وعقل مسلمانی سے بخوبی ظاہر ہوسکتا ہے کہ کارخانۂ خدائی میں ایسا در یتیم، بحر نبوت اس نفاست و پاکیزگی کے ساتھ نہیں مل سکتا، قرآن مجید میں متعدد آیات سے علوشان ومرتبہ جناب اقدس واضح وروشن ہے۔

من جملہ ان آیات شریفہ کے یہ ہے کہ ''لَقَدْ جَاءَ کُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ'' الخ، یعنی اے مسلمانو! تمہارے پاس تمہیں میں سے یا تم میں بہتر ایک رسول آئے ہیں، ان کی شان وصفات یہ ہیں کہ شئ تم پر گراں ہو تم کو رنج میں ڈالے ان کو ناگوار ہوتی ہے، تم مسلمانوں پر حریص ہیں، یعنی نیکی وبھلائی تمہارے حق میں چاہنے والے، صاحب مہربانی ورحمت ہیں، جاننے چاہیے چند اسماء صفات حق سبحانہ وتعالیٰ کے ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کا اطلاق ہوا ہے، ازاں جملہ ''رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ'' ہیں۔

اس مقام سے بھی آپ کے بے مثل ہونے کا لطیف اشارہ نکلتا ہے اور اسی واسطے جبکہ موجودات میں آپ کا مثل موجود نہیں؛ لہٰذا خاتمیت رسالت آپ ہی کی ذات بابرکات پر ہوگئی۔

مہتر و بہتر گزیں ہمہ ☆ سرور و خاتم نگیں ہمہ

آپ سب کے سردار، سب سے بہتر، سب میں برگزیدہ ہیں، خاتم رسالت بلکہ نگینہ مہر خاتم رسالت ہیں، اس مقام پر ایک سخن لطیف و رمز شریف دل میں گذرتا ہے وہ یہ ہے کہ جب بجز ذات گرامی حضور سرور عالم کے کوئی مشکل کشا، گاڑھے وقت میں کام آنے والا نہیں ہے تو مقتضائے عقل دور اندیش یہی ہے کہ بالآخر کام آپ سے ہی پڑے گا اور میدانِ محشر میں بجز ذات حضور کا سہارا ہے، کون ہماری شفاعت کا ذمہ دار ہے، لہٰذا آج ہم لوگ حیاتِ دنیا میں کوئی امر خلاف مرضی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کریں اور جملہ امور دینی ہوں یا دنیوی شریعت محمدی کے مطابق کرکے عمل کیا کریں، تاکہ فردائے قیامت میں ہمارا کام خوب بن جائے اور حضور نبوی کے نزدیک فی الجملہ عزت و رفعت پاکر سعادت ابدی و نعمت سرمدی، رضامندی خدا اور رسول پاکر بہشت بریں اور حور عین کے وارث و مستحق ہو جائیں، درصورت خلاف اس کے ہمارا ٹھکانہ نہیں اور ہمارا سب کام بالکل خراب و برباد ہے۔

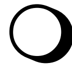
گفتگو بے کار ہے اور کام ہی درکار ہے
کام ہی مقصود ہے اور کام ہی سے کار ہے
دین میں بیجا تصنع کچھ نہیں
اور سوا ویرانگی کے کچھ نہیں

تاوقتیکہ اپنی ظاہری حالت میں شکستگی و بردباری نہ پیدا کروگے، باطن عمارت

............خالی رہے گا اور جب تک عاشق کا دل صدمۂ عشق سے زخمی نہیں ہوتا، نظر گاہِ رب العزت نہیں بنتا، حدیث قدسی ہے، اللہ جل شانہ فرماتا ہے: میں ان دلوں میں رہتا ہوں جو میری محبت میں ٹوٹے ہوئے ہیں۔

نیز آیت کریمہ: "إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً" الخ، بادشاہ جب کسی بستی یا گاؤں میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو ویران وخراب کردیتے ہیں اور وہاں کے عزت والے باشندوں کو ذلیل کردیتے ہیں، اسی کی تمثیل ہے یا خرابی ہے، مراد یہ ہے کہ تن کو زہد وریاضت سے خراب کرتے ہیں اور نفس شریر ابلیس لعین جو کہ دشمن دین ہے اس کو شکستہ کرتے ہیں اور ایسا کردیتے ہیں کہ روح کے موافق ہوکر افعال ناشائستہ کی خواہش نہ کرے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوات سے فارغ ہوکر گھر تشریف لاتے، فرماتے ہم جہاد اصغر سے رجوع کرکے جانب جہاد اکبر کے آگئے، کسی نے عرض کیا کہ جہاد اکبر کیا ہے؟ ارشاد ہوا: نفس جو دشمن قوی تمہارا ہے، اس سے لڑنا جہاد اکبر ہے۔

دوسری حدیث ہے کہ سب سے بڑا دشمن تیرا نفس امارہ ہے جو تیرے اندر دونوں پہلو کے درمیان ہے۔



مُحیِ

مردوں کو زندہ کرنے والے۔

احیاء بمعنی زندہ کرنا سے مشتق ہے اور یہ قدرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم الٰہی سے تھی، باوجودیکہ جان دینا، زندہ کرنا صفت خاصۂ الٰہی ہے، مگر ذات جامع الکمالات کو اس صفت میں سے بغرض اظہار معجزات بطور خرق عادات حصہ کامل عطا

ہوا؛ چنانچہ شواہدالنبوۃ، مدارج النبوۃ، معارج النبوۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ایک لڑکی مدفون کا زندہ ہونا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لڑکوں کو نقد حیات عنایت ہونا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا زندہ ہو کر مشرف باسلام ہونا و نیز دیگر جانوروں کا زندہ ہو جانا احادیث سے منقول ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ ''محي'' سے مردوں کا زندہ کرنا مراد ہو، یعنی انفاسِ قدسیہ کی برکت سے (جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کے جسم زندہ کیا، مردہ دلوں میں روح پھونک دی اور خانہ تاریک دل چراغِ ایمان سے روشن اور نور یقین سے منور ہو گیا اور افسردہ دل آپ کی توجہ روحانی سے حرارت پذیر ہو کر دفعتاً متحرک ہوئے اور ذکر الٰہی میں موافق زبان بن گئے، اب اس زندہ کرنے سے ذکر قلبی عنایت فرمانا مراد ہوگا، یا احیائے دین مراد ہو، یعنی شریعت حقہ کے آثار جو کہ زمانہ موقوفی وحی ارسال پیغمبران میں مٹ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پامردی وکوشش سے از سر نو ظاہر ہوئے اور آواز بلندیٔ کلمہ الا اللہ چار سوئے عالم میں پھیل گئی۔

امت مرحومہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اکثر اولیاء اللہ اس صفات سے متصف ہیں اور سب کے سردار وقافلہ سالار حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ ہیں اور بسبب خدمت شریف واتباع سنت، تقویت دین وشرع مبین محی الدین لقب پایا اور انواع کرامات وخوارق عادات کے ساتھ عالم میں مشہور ومعروف ہوئے۔

حکایت جناب غوث الاعظم

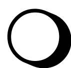
آپ کے مناقب میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ آپ چلہ نشیں تھے، اسی حالت میں آپ کو بہشتی میوہ کی خواہش ہوئی اور چاہا کہ روزہ اسی میوہ سے افطار فرمائیں، حق

تعالیٰ نے حسب خواہش اپنے دوست کے ایک طباق گنگا جمنی بہشتی میووں سے بھرا ہوا فرشتوں کے ہاتھ آپ کے پاس بھجوادیا، چونکہ شاہ جیلانی قدس سرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے مرید تھے، میوہ اس سونے چاندی کے برتن میں دیکھ کر قبول نہ کیا اور یہ فرمایا: سونے چاندی کا برتن استعمال کرنا شرع رسول کریم میں حرام ہے، آپ کے پاس تقویٰ سے خداوند تعالیٰ بہت خوش ہوا اور فرمایا: میں نے تمہارا امتحان لیا تھا، تمہارا نقد ایمان تمہاری دیانت امتحان میں کھری نکلی، تم دین کے زندہ کرنے والے ہمارے رسول خاتم المرسلین کے فرزند صالح ہو، بندگانِ خدا تمہارے م سے حیات تازہ پائیں گے، بندوں کا تاریکیِ کفر وگمراہی، آتش دوزخ سے رہا کرانا تم پر آسان ہوگا۔

مُنجِی

اِنجاء سے مشتق ہے، یعنی بندگانِ خدا کو دنیا میں کفر و گمراہی سے چھڑانے والے اور قیامت میں عذابِ دوزخ ومواخذۂ آخرت سے نجات دینے والے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اے لوگو! میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری کمر پکڑے ہوں، تاکہ تم آتش دوزخ میں نہ گر پڑو، مگر تم قصداً چاہتے ہو کہ سب سے سب آگ میں پھاند پڑو، مطلب یہ ہے کہ میرا سایہ، میری پناہ چھوڑ کر راہِ راست شرع سے منھ موڑ کر دیوانوں کی طرح بے خود و بدحواس دوزخ کی طرف بھاگے جارہے ہو، البتہ رہا کرانے والے کو ضرور ہے کہ جو لوگ احوالِ آخرت سے بے خبر ہیں، ان کو خبردار کرے اور ان کے دلوں کی آنکھوں میں سرمۂ بصیرت لگادے۔



مُذَکِّرٌ

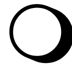
آخرت کی باتیں جیسے قبر سے زندہ ہوکر اٹھنا، سب کا ایک جگہ جمع ہونا، ثواب، عذاب، میزان، حساب وکتاب، نامۂ اعمال کا ملنا، پل صراط، بہشتی نعمتیں، دوزخ کے عذاب اوران کے مانند یاد دلانے والے۔

بمضمون حدیث دین نصیحت وخیر خواہی ہے، لوگوں کو وعظ ونصیحت سنانا تاکہ سننے والوں کو دنیا ودین کا فائدہ ہواوران باتوں کوسن کر حسن اخلاق واعمال نیک کی طرف مائل ہوں اوراقسامِ گناہ اورممنوعات شرعیہ، فسق وفجور، زنا، شراب خوری، دیگر اشیائے نشہ آور کا استعمال جیسے بھانگ، افیون کھانا اور جملہ لہو ولعب کھیل کود جیسے جوا کھیلنا، شطرنج وچوسر کھیلنا جوامور مذاہب اربعہ میں حرام ہیں، ان سب سے پرہیز کریں اور یہ جو مشہور ہے کہ امام شافعی نے عصر ومغرب کے درمیان حاکموں اور بادشاہوں کے ذہن تیز کرنے اور عقل بڑھانے کے واسطے ایک دو بازی شطرنج کھیلنا جائز فرمایا ہے، یہ قول غلط ومرجوح ہے، امام غزالیؒ شافعی مذہب میں فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اس قول سے رجوع کیا اور قطعاً حرام کردیا ہے۔

جامع صغیر خانی میں ہے، اگر شرط کر کے شطرنج کھیلے تو بالاتفاق حرام ہے ورنہ فعل عبث ہے اور یہ بھی حرام ہے؛ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو کھیل کود ناجائز ہے، ہاں تین کھیل درست ہیں، گھوڑے کی سواری اوراس کو پھیرنا، دوڑانا، تیر اندازی کی مشق، اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا اور بہلانا، یہ بھی ارشاد ہوا ہے: ''مسلمان کے حق میں سب کھیل حرام ہیں'' لیکن اس سے اوپر کے کھیل مستثنیٰ ہیں۔

روایت ہے کہ امیر المومنین جناب علی مرتضیٰ کسی مقام پر تشریف لے گئے وہاں ایک مجمع میں شطرج کا کھیل ہورہا تھا، آپ نے فرمایا: یہ کیا مورتیں ہیں کہ تم ان پر

جھکے ہوئے ہو، (گویا کہ ان کی عبادت کررہے ہو) آپ نے شطرنج کے مہروں کو بت قرار دیا، کیونکہ شطرنج میں انسان اس درجہ مشغول ہو جاتا ہے کہ نماز و ذکر خدا کا بالکل خیال نہیں رہتا اور سب کاموں سے غفلت ہو جاتی ہے اور استغراق میں بے ہودہ و جھوٹی باتیں زبان سے نکالنے لگتا ہے جو شخص محض شفقت ذاتی سے لوگوں کو آفاتِ آخرت سے بچائے، دین و دنیا میں مددگار ہو وہ بے شک۔



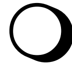
نَاصِرٌ

دین و دنیا میں مددگار ہو وہ بے شک ہے۔

یعنی شریر لوگوں اور کافران بے دین کو قتل کر کے دین اسلام کی مدد کرنے والے اور دنیا و آخرت میں مسلمانوں کے مددگار یا یوں کہو کہ مسائل شرعی، و مطالب فقہی، غوامض شریع، اسرار طریقت میں جو لوگ حیران و ششدر ہیں، ان کے مددگار؛ کیونکہ ان امور مشکلہ کا مرتب کرنا، ان کی تنقیح و وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت ہے، آپ کی تعلیم و تفہیم سے سب مشکلیں حل ہوئیں، اور حضور کا ارشاد و تعلیم سبب نصرت و موجب فلاح درستگاری ہوا۔

حضرات ائمۂ مجتہدین کے واسطے کتاب وسنت کی ایک دستاویز دل خواہ ہاتھ آ گئی، اور ہر ایک نے بقدر روشنی ایمان و کمال یقین اپنے کے ایک راہ و طریقہ اختیار کیا، اب ان بزرگوں میں جو باہم اختلاف نظر آتا ہے یہ بمضمون حدیث شریف: ''میری امت کا اختلاف باعث رحمت الٰہی ہے'' امت مرحومہ کے حق میں آسانی کا ذریعہ ہو گیا اور ان کے واسطے کوئی شکل باقی نہ رہی اور یہ عین خدا کی رحمت ہے کہ اگر

کوئی کسی خاص مسئلے میں عاجز ہو اور اپنے امام مجتہد کی پیروی و تقلید اس پر شاق گذرتی ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ محض بہ نیت خیر اس خاص مسئلے میں دوسرے مجتہد کی تقلید کرے، خواہ وہ مسئلہ اعتقادی ہو یا عملی ہو، کھانے پینے سے متعلق ہو، خواہ دوا و غذا کے متعلق، ہم نے اس قدر اجمالاً ذکر کیا، تفصیل اس کی علم فقہ سے معلوم کریں اور جب کوئی بندۂ خدا کسی کا یار و مددگار ہو کر اس کے دین و دنیوی کام میں مدد کرے گا، خدائے کریم بھی اس کی مدد فرمائے گا اور وہ:



مَنۡصُوۡرٌ

ہوگا، یعنی خدا کی طرف سے اپنے دشمنوں پر فتح پائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت، رعب کافروں کے دلوں میں سما گیا اور جب مسلمانوں کی تعداد کم، کفار کا لشکر کثیر جم غفیر ہو، فرشتوں کی فوج سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی، باد صبا آپ کی مددگار کی گئی اور ہر موقعہ پر آپ ہی غالب، دشمنانِ خدا مغلوب رہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے درباب محنت و ریاضت راہِ طریقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی، عوارض بشری، دنیا کی طرف التفات، ازواجِ مطہرات سے مشغولی، یہ کوئی امور آپ کی عبادت، شغل، ذکر وفکر، روزہ، نماز، ادائے نوافل شب، حج وغیرہ میں کسی طرح مانع نہ ہوئے اور آپ ہمیشہ تسبیح و تحلیل، تکبیر و تحمید، زبانی و قلبی میں مشغول رہا کرتے تھے، اور باوجود حصول دولت دین و دنیا کے کسی طرح یادِ مولیٰ سے بے پرواہ ہو کر غافل نہ رہتے، ہر وقت و ہر لحظہ خودی و خود بینی کی طرف اپنی آنکھ بند رکھی، اور سفر در وطن،

خلوت درانجمن کے ساتھ متصف رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال توحید کا کیا ذکر، آپ مرشد و عارف یگانہ تھے، تائید الٰہی شامل حال تھی۔

متعلق بہ توحید ایک روایت تمثیلاً ذکر ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعزم ہجرت رات کے وقت جناب صدیق اکبرؓ کے ہمراہ غارِ ثور میں پوشیدہ رہے، کفار ناہنجار غار کے گرد پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد یقیناً یہاں پوشیدہ ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سخت فکر و اندیشہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم غمگین نہ ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اگر ہے ذوقِ باطن تجھ میں اے یار ☆ تو "ان اللہ معنا" پر نظر کر

جس وقت حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو لشکر فرعون کے سے محنت و مشقت درپیش ہوئے، اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا: میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو عنقریب راہِ راست دکھا دے گا اور میری مشکل حل ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت و بلا میں فرمایا: خدا ہمارے ساتھ ہے، اس وقت بھی آپ کی نظر جانب بارگاہِ خالق بے نیاز تھی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہمارے ساتھ ہے، ذکر خدا اول بعدہ اپنا ذکر ہے، اور حضرت کلیم اللہ نے اولاً اپنے نفس کی طرف التفات کیا اور فرمایا: میرے ساتھ میرا رب ہے، پہلے اپنے نفس کا خیال آیا پھر خدا کو یاد کیا۔

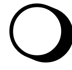
نصرت تائید الٰہی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے باوجود محویت کے عشق الٰہی و وجد بے خودی میں کبھی کسی وقت خلوت و جلوت میں کئی ایسا کلمہ جو آپ کی امت کو وہم و شک میں ڈالے، نہ نکلا، جیسے کسی بزرگ کا قول "**سبحانی ما اعظم شانی**" پاکی ہے مجھ کو کس قدر میری شان ہے، یا مثل اس کے

دیگر اقوال جو حالت سکر و غلبہ و بے خودی میں اولیاء اللہ کی زبان سے نکلے ہیں اور اس پر آشوب زمانۂ میں جہلاء مدعیان سلوک وصوفیان بے علم ان کلمات کو اپنا وظیفہ سمجھ کر کلماتِ کفر و الحاد زبان سے نکالتے ہیں، مگر احادیث صحیحہ میں کہیں نہ ملے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے الفاظ زبان مبارک سے ارشاد فرمائے، سچ ہے دولت کے نشے میں مرد کی آزمائش ہوتی ہے، جس کا حوصلہ فراخ و عالی ظرف ہے وہ ضبط کرتا ہے ورنہ ہر ایک کا کام نہیں، منصور حلاج کا ''انا الحق'' کہنا اسی واسطے ہے کہ وہ ضبط نہ کر سکے اور اسرار ربوبیت ظاہر کر دیئے، شاہی راز فاش کرنا اور عین محویت میں اپنی طرف نظر ڈالنا، لفظ ''انا'' زبان پر لانا صاحبان با احتیاط کے نزدیک جائز نہیں ہے، ملا باقر شہیدؒ منجملہ کاملانِ دین سے تھے، فرماتے ہیں:

انا الحق گفتن منصور تاولی نمی خواہد ☆ گدائے چوں بدولت میرسد گرمی کند خود را

منصور کے دعوی ''انا الحق'' کی کوئی تاویل صحیح ڈھونڈھنا کی کیا ضرورت ہے؟ کھلی بات ہے کہ جب کسی فقیر گدا کو دولت و ثروت حاصل ہو جائے تو اپنے کو بھول جاتا ہے، منصور بھی دولت پا کر اپنی اصالت بھول گئے، اگرچہ درحقیقت اس لفظ کے کہنے والے منصور حلاج نہ تھے (کیونکہ وہ اس وقت عالم استغراق میں بے خود تھے) مگر بہ ظاہر ان کی زبان آلہ بیان تھی انہیں کی زبان سے یہ کلمہ نکلا، اس لیے شریعت کے قاعدے سے ان کی بات راہِ ثواب سے الگ تھی، مگر عوام صوفیہ نا سمجھ اس وقت سے لے کر آج تک طریقۂ احتیاط ہاتھ سے چھوڑ کر اصل بات کی تہہ تک نہ پہنچے، منصور کی سنی ہوئی بات پر کلمات ناشائستہ و بے ہودہ منھ سے بکا کرتے ہیں، منصور کی دھنی ہوئی روئی کیا ہاتھ لگی اس سے ایک جال فریب بنا لیا اور بندگانِ خدا جو کتاب و سنت و رسولِ خدا سے ناواقف و بے خبر ہین، اس جال میں پھانس رہے ہیں، ''دعویٰ

انـــــا و لا غیـــــری'' میں ہی ہوں اور میرا غیر کوئی نہیں، کا ان کی زبان پر ہے، حسد عبدیت و عابدیت سے نکل کر اپنے کو معبود بنا لیا ہے، مریدوں کو یہ حکم ہے کہ مرشدوں کو سجدہ کیا کرو، اس کی حجت ودلیل میں سجدۂ تحیت فرشتگان جو آدم علیہ السلام کو بحکم الٰہی کیا ہے، پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں، اگر یہ سجدہ درست نہ ہوتا تو فرشتے حضرت آدم کو سجدہ نہ کرتے، حالانکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ آدمی کا سجدہ آدمی کے واسطے حرام ہے؛ چنانچہ اس کی بحث اوپر گذر چکی ہے، بس اس پر آشوب زمانہ میں بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق خیر عطا فرمائے۔



نَبِیُّ الرَّحمَۃِ

چشمۂ رحمت، لطف وعنایت کی کان۔

جب حق تعالیٰ نے ذات والا صفات کو ہر طرح منصور ومظفر کیا تو آپ بیشک عین رحمت ہیں۔

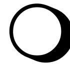
روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت قریب آیا حضور اس وقت زار زار رو رہے تھے، کسی صحابی نے عرض کیا اے رسول! آپ تو خدا کے محبوب ہیں، آپ کا دامن عصمت، گناہوں سے پاک وصاف ہے، پھر اس آخری وقت رونا کیسا؟ فرمایا: مجھ کو اپنی امر حومہ پر حمت، ان کے حال پر ترس آیا اس واسطے رویا، مجھے نہیں معلوم کہ میرے بعد ان کو کیا حوادث پیش آئیں، اور میری جدائی کے غم میں ان کا حال کیسا ابتر ہوگا۔

اے عزیز باتمیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ آنسو بازارِ قیامت میں اس

درجہ قیمتی ہوں گے کہ ان کی قیمت عقل وقیاس سے باہر ہوگی، اور جو یہ خبر سنی جاتی ہے کہ ستر ہزار گنہگارانِ امت محمدی بلاحساب وکتاب جنت میں جائیں گے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریہ وزاری کا نتیجہ اور عنایت الٰہی کا ثمرہ ہے، آج تم بھی محبوب الٰہی کے عشق اور ان کی جدائی کے غم میں آنکھوں سے آنسو بہاؤ تو دیکھ لوگے کہ یہ قطراتِ اشک تمہارے بازارِ قیامت میں کس مرتبہ باقدر وعزت ہوں گے۔

آخر ہر گریۂ راخندہ ایست ☆ مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

ہر رونے کے بعد ہنسی ہے، مرد انجام بین مبارک بندہ ہے، منجملہ آثارِ رحمت نبوی یہ ہے کہ خلق خدا کو توبہ واستغفار کے واسطے حکم فرمایا کرتے تھے؛ لہٰذا یہ لقب بھی آپ کو عنایت ہوا۔



نَبِیُّ التَّوْبَةِ

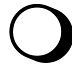
وہ نبی کہ مخلوق الٰہی نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی اور گناہوں سے باز رہے۔

شامت کفر ومعصیت سے نجات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مریدوں کو بھی رات دن توبہ واستغفار کرتے رہنا پسند ہے، ظاہری گناہوں کی توبہ ظاہر میں اور مخفی گناہوں کی توبہ پوشیدہ کرنا، یا بایں معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت سے متصف ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام ادنیٰ گناہ گیہوں کھانے پر عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے، ندامت وپشیمانی کے ساتھ اپنے گناہ کا اقرار کیا، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت اور آپ کے توسل سے توبہ قبول ہوئی۔

یہ مضمون شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے اپنی تفسیر عزیزیہ میں آیت کریمہ:

"فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِهٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ" کی تفسیر میں لکھا ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے توبہ واستغفار کیا کرتے تھے، اس واسطے یہ لقب مرحمت ہوا، چنانچہ ارشاد نبوی ہے اے لوگو! اپنے گناہوں سے توبہ کر کے خدا کی طرف پھرو، اور میں تو ہر روز سو مرتبہ توبہ کیا کرتا ہوں۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بابِ توبہ میں یہ اہتمام گنہگارانِ امت کی مغفرت کے واسطے ہے، یا مقصود آپ یہ تھا کہ امت محمدیہ بہ تبعیت آپ کے یہ پسندیدہ طریقۂ توبہ: استغفار کا اختیار کرے، استغفار و توبہ کے یہ الفاظ علمائے دین نے پسند کیے ہیں، "استغفر الله ربی من کل ذنب و اتوب الیه" اس کے ماسوا اور دعائیں استغفار کی اور اس کے کلمات احادیث میں بکثرت آئے ہیں، خلق خدا سے توبہ کرانا علامت و نشانی اس بات کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان پر حریص تھے لہٰذا:



حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ

آپ کے حق میں صادق ہے، یعنی تم سب کے ایمان و اسلام کے آرزومند ہو۔

یہی مضمون آیت کریمہ "لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِکُمْ" تا آخر سے آشکارا و ہویدا ہے، اس تمنا کا باعث و سبب محض آپ کا اپنی امت کے حق میں کمال درجہ شفیق و رحیم ہونا ہے۔

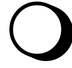
اسی واسطے آیت کریمہ مرقومہ بالا کے آخر میں بمضمون آیت پاک "هَــــلْ جَــزَاءُ الْاِحْسَـــانِ اِلَّا الْاِحْسَـــانُ" نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے، حق تعالیٰ نے اپنے

ناموں سے دونام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دیئے ”رؤوف، رحیم“ اور یہ بخوبی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ خلق خدا کے ایمان کا آرزومند ہونا منجملہ مکارم اخلاق آپ کے ہیں، اسی واسطے ایسے کاموں کی حرص جن سے عام خلائق کو نفع پہنچے، محمود ہے، اورایسا حریص مصداق (خیر الناس من ینفع الناس) (بہتر انسان وہ ہے جولوگوں کو نفع پہنچائے) کا ہے، اس کو اس نیکی کا بدلہ دنیا میں ہے اور ثواب بے حساب آخرت میں بھی ملے گا۔

یہ تو حرص محمود کا ذکر تھا، اب حرص مذموم کا حال سنو! علماء کے حق میں تو یہ حرص نہایت ہی نازیبا ہے، ان کی آخرت کا زیاں ہے اور یہ اس طرح ہے کہ خواہش مال، حب جاہ ومرتبہ میں امراء واہل دولت کے روبرو کلمۂ حق کہنے سے خاموش رہے، اور مخلوق کی خاطر سے (اگرچہ خالق ناراض ہو) امر معروف ونہی منکر میں تقصیر کرے اور اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ اگر خلاف مرضی اپنے آقا کی کوئی بات کہتا ہوں تو میں اس کی نظر سے گر جاؤں گا، آقا کی نگاہ کرم مجھ سے اٹھ جائے گی، جاگیر، منصب، نذرانہ، ہدیہ جو کچھ مقرر ہے سب موقوف ہو جائے گا، عالم صاحب اس خیال میں مستغرق، امیروں کے دربار میں ان کی خوشامد کی وجہ سے حق بات چھپا ڈالتے ہیں لیکن اس سے غافل ہیں کہ ایسا عالم دینا پرست قیامت کو بمقابلہ ایک جاہل کے نہایت دردناک عذاو سخت مؤاخذہ میں گرفتار ہوگا، اس کی زبان آتشیں مقراض سے کتری جائے گی، جیسا کہ حدیث میں اس عالم کے بابت مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کی شان میں تو یہ آیت کریمہ ”كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ“ تا آخر نازل ہوئی ہے یعنی تم بہتر امت ہو کہ لوگوں کے واسطے لائے گئے ہو، تم نیک کاموں کی ہدایت، برے کاموں سے ممانعت کرتے ہو، یہ شان اصحابِ کبار کی تھی، (ہم کو بھی مصداق خیر امت ہو جانا

چاہیے ورنہ کہیں ٹھکانا نہیں ہے) اور یہ تو فضل الٰہی ہے جس کو چاہے عطا کرے، کسی کا اجارہ نہیں، یہ سعادت ابدی اسی کا حصہ ہے کہ حرص دنیوی سے عراض کر کے کلیۃً دولت آخرت طلب کرے اور یہ کمال بغیر علم معرفت کے حاصل نہیں ہوتا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ☆ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ



مَعلُومٌ

ملائکہ ہفت آسمان، عرش وکرسی، لوح وقلم اور فرشتگان ساکنان سات طبقے زمین کے نزدیک آپ جانے گئے ہیں۔

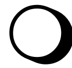
یا یہ مطلب ہے کہ حضرات انبیاء، اصفیا، اولیاء اللہ تمام بنی آدم اگلے پچھلے آپ کو بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کے اوصاف آسمانی کتابوں میں مذکور ہیں، اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلوماتِ الٰہی، اعیانِ ثابتہ (موجوداتِ عالم) کے سرسبز پھول ہیں، کیونکہ اس باغ ہستی میں کوئی شاخِ گل اس زیبائی کے ساتھ کوئی سرو آزاد بایں خوبی دررعنائی نہ اُ گا، باغبانِ حقیقی نے اس پودے کو دریائے رحمت کاملہ سے اپنے قدرتی ہاتھوں سے پانی دیا ہے۔

درخت سہی سرو در باغ شرع ☆ زمینے بہ اصل آسمانی بہ فرع

آپ کی ذات ہمایوں باغ شرع کا ایک سرو خرامان ہے، جڑ زمین میں اور آسمان تک شاخیں بلند ہیں، معلوماتِ الٰہی میں کوئی بندہ اس علم میں اس درجہ پر نہ ہوا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم معرفت الٰہی کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور ادائے کار خلافت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔

خلاصہ یہ کہ ذات گرامی حضور سرور عالم جملہ معلومات خدائی میں اشرف معلومات ہے اور حضرت رب العزت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معلوم میں بزرگ وافضل معلومات محمدی ہیں، اسی واسطے ارشاد نبوی ہے ''اگر میں نے خدا کو خلیل نہ بنایا ہوتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ضرور اپنا خلیل ودوست وولی بنالیتا'' مطلب یہ ہے کہ خدا کی دوستی میرے دل میں سب یاروں سے (اگر چہ ان میں بعضے صداقت میں کامل ویکتا ہیں) زیادہ ہے۔

سبحان اللہ، واہ واہ! اس درجہ تقرب نبوی وشرف کمال ہے، اپنے کو بالکل خدا کے سپرد کرکے دین ودنیا حاصل کیں، بیشک جو خدا ہوا اس کا سب کوئی حدیث مذکورہ بالا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقل و دانش کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور غایت بزرگی وفضیلت جناب صدیق اکبرؓ ثابت ہوتی ہے، اس رمز کو جو کہا وہی سمجھا اور جس نے اس کا ذوق پایا، اسی نے لطف اٹھایا، جس نے انکار کیا، کوہ وبیابانِ ضلالت میں سر ٹکراتا پھرا اور دشت ادبار میں برباد وہلاک ہوا۔



شَہِیْرٌ

بلند آوازہ، صاحب شہرت، مشہور۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل اور بعثت نبوی سے پیشتر، چار دانگ عالم میں حضور کا نام نامی واوصاف گرامی مشہور ہو گئے، وقت ولادت شریف ہر طرف ایک شور بلند تھا، محل کسریٰ شاہِ ایران کا ہل گیا، کنگرے اس کے ٹوٹ پڑے، بت رو بہ زمین سرنگوں ہوئے، حضرت آدم ک کنیت ابومحمد قرار پائی، خبر ولادت باسعادت

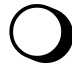
درگاہِ الٰہی میں پہنچائی گئی، حضرت عیسیٰ روح اللہ یہ مژدہ پہنچانے کومقرر ہوئے، آیت کریمہ:''إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ۔ الخ'' اللہ جل شانہ اوراس کے فرشتے نبی پر درود ورحمت کاملہ بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اپنے نبی پر درود وسلام بھیجو، اس آیت پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت بسبب صلاۃِ خدا اورفرشتوں کے روز افزوں ہے، مسلمانوں کی طرف سے درود نورانی طباقوں میں بھرکرفرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

قاعدۂ فقہیہ درباب درود

اس مقام پر قاعدۂ فقہیہ جس کو ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت سے استنباط کیا ہے اورحمویؒ نے درباب کمال شہرت حضورسرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان کیا ہے ،لکھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بھیجا جائے وہ ایک دوسرے کے اندرمتداخل نہیں ہوتا اوراللہ تعالیٰ کی حمد وثنا متداخل ہوجاتی ہے۔

اس عبارت مغلق کی توضیح اس طرح ہے کہ جب ایک مجلس میں نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بارلیا جائے تو سننے والوں پرواجب ہے کہ جب نام نامی سنیں، ہرمرتبہ درود وسلام پڑھیں، اوراگرمجلس مذکورمیں بار بار خدا کا نام لیا جائے تو سننے والوں پرواجب نہیں کہ ہر بارحمد وثنا کے الفاظ جیسے ''عز اسمہ، جل شانہ'' اپنی زبانوں پرلائیں، بلکہ ایک بار کہہ دینا کافی ہوگا، یہی معنی متداخل ہونے کے ہیں، شایداس کا سبب یہ ہے کہ درود ذکرالٰہی پرشامل ہے یا یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق ادا کرنا ہرشخص پرلازم وواجب ہے؛ لہٰذا ہر بار درود پڑھنا ضروری ہوا، یا یہ غرض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم وتعظیم سے خدا کی تعظیم ہے۔

جب آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہی ملک وملکوت کی عنایت ہوئی اور لوازم بادشاہی بھی جیسے مہر نبوت، خلعت رسالت، سواری براق، لواء الحمد، بارگاہِ الٰہی سے مرحمت ہوئے، تو حضور کے دولت سراپر پنج گانہ نماز کی اذان واقامت بمنزلہ پنجوقتی نوبت کے مقرر فرمائی، اس سے یہ غرض تھی کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اس وسیلے سے عالم گیر ہو؛ لہٰذا آپ کی یہ صفت بھی ہے۔



نَذِیرٌ، مُنْذِرٌ

مسلمان گنہگاروں کو عذابِ آخرت، سختی حساب وکتاب، باز پرس اخروی، نفع دوزخ کی گرفتاری سے اور کافروں کو ہمیشہ دوزخ میں رہنے سے ڈرانے والے۔

اور یہ امور آیاتِ قرآنی وحدیث نبوی سے بخوبی ثابت ہیں، گویا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض انہیں کاموں (بشارت دینے، ڈرانے) کے واسطے اس شان و شوکت، کروفر کے ساتھ بھیجے گئے تا کہ آپ کی جلالت قدر وعلوشان پر نظر کر کے لوگوں کو آپ کے اخبار میں کچھ شک وتردد نہ رہے اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم من جملہ مخبران کاذب (جو فی زمانہ اغراض نفسانی پورے کرنے کو جھوٹی خبریں اور غیر واقعی حالات کو صدق وکذب دونوں کے محتمل ہوں، اپنے دل سے گڑھ کر عالم میں مشہور کردیتے ہیں) نہیں ہیں، بلکہ مخبر صادق اور خاص بارگاہ کبریائی سے بھیجے ہوئے ہیں۔

اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی وراست گفتاری کی دلیل یہ بھی ہے کہ جب آیت کریمہ "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" یعنی اے محمد! اپنے عزیزوں، قریب رشتہ داروں کو عذابِ خدا سے ڈرایئے، نازل ہوئی تو آنخضرت صلی اللہ علیہ

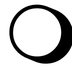
وسلم نے قبیلۂ قریش کو طلب فرمایا اور ہر ایک سے نام بنام ارشاد ہوا، اے فلاں فلاں! میرے پاس تمہارا کوئی چارہ کار نہیں تم خود اپنی اپنی جان کو دوزخ سے چھڑانے کی فکر کرو، یہی کلمات حضرت فاطمہ زہرا، صفیہ بنت عبد المطلب، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمائے، یعنی تم سب اپنی نجات کی فکر کرو، میں تمہارے واسطے کچھ نہیں کرسکتا اور یہ بھی فرمایا ’’لا املک من اللہ شیئا‘‘ میں تمہارے لیے خدا سے کسی چیز کا مالک نہیں، یعنی اگر تم بندگی الٰہی و اطاعتِ رسول خدا میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے روبرو مجھ کو دم مارنے کی مجال نہیں، کہ تمہارے حق میں سفارش کروں، کیونکہ قیامت کے دن حکم خداوندی ہی باقی رہے گا اور سب حاکموں کی حکومت اٹھ جائے گی، فرمان، اذن ایسے بادشاہ کے دست قدرت میں ہوگا جس کو زبان سے شرع میں ’’احکم الحاکمین‘‘ کہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے ’’الیس اللہ بأحکم الحاکمین‘‘ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے اور مسلمانوں کو تاکید ہے کہ جب یہ آیت پاک تلاوت کریں تو زبانی اقرار اس طرح پر کرلیا کریں ’’بلیٰ ربنا انت حاکم و نحن علی ذلک من الشاھدین‘‘ کیوں نہیں اے رب ہمارے تو حاکم ہیں اور ہم اس پر گواہی دینے والے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ درباب احکام شرعی و امور الٰہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اپنے عزیز و قریب کا پاس خاطر ملحوظ نہ ہوتا تو سب سے زیادہ آپ کی عزیز اولاد حضرت فاطمہ زہراؓ نور نظر، لخت جگر حضور نبوی ہیں، امیر المومنین جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور کے داماد، حضرات امام حسنین آپ کے نواسے، اس معاملہ میں شفقت پوری ان بزرگوں پر ظاہر فرماتے، محنت و ریاضت، طاعت الٰہی، نماز روزہ سے ان بزرگوں کو منع کردیتے، خاص اپنی صاحبزادی کو خدمت، کاروبار خانگی، بچوں کی

پرورش سے باز رکھتے اور یہ ارشاد ہوتا اے فاطمہ! میری شفاعت پر بھروسہ رکھو تم کو اس محنت و مشقت کی ضرورت نہیں، میں خدا کے روبرو تمہاری سفارش کروں گا، پھر تم سے کسی معاملہ میں باز پرس نہ ہوگی، مگر اس دن کا کام تو کسی کے اختیار میں نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے پاس خاطر اپنی صاحبزادی سے فرماتے ہیں ''اے فاطمہ! ہرگز اس بھروسے نہ رہنا کہ تم رسول کی بیٹی ہو، عمل نیک کیے جاؤ، عبادت سے غافل نہ ہو، کارِ خیر سے باز نہ رہو'' سچ ہے امور سلطنت بادشاہی خوب جانتے ہیں، باپ کے پاس افراط سے ہے لیکن لڑکے کا مزاج گرم ہے، یہ مثل بھی مشہور ہے۔

اے عزیز باتمیز! جب حضرت فاطمہ زہرا کے واسطے ارشاد نبوی یہ ہو تو میں اور تو کس شمار و قطار میں ہیں؟ کیا تم چاہتے ہو کہ بغیر اعمال نیک محنت و مشقت عبادت اٹھائے بغیر اطاعت صاحب شرع آخرت کے مؤاخذہ سے بری ہو جاؤ، واللہ باللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، یہ تمہاری خام خیالی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذکر ہول محشر سے بوڑھے ہو گئے، سر مبارک و ڈاڑھی کے بال اسی فکر سے سفید ہوئے، دوسروں کا کیا حال ہوگا، بندگانِ خدا، پیران شریعت، وادیِ ضلالت سے کیونکر نہ نجات پائیں کیونکہ ان کی راہ میں ایک چراغ روشن ہے اور وہ مجسم:



نُوْرٌ

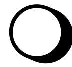
ہے، یعنی ذاتِ گرامی صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روشنائی و ہدایت ہیں کہ جانب عرش بریں سے اہل زمین پر نازل ہوئے، قرآن پاک میں موجود ہے ''لَقَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ'' تمہارے نزدیک خدا کی طرف سے نور آیا ہے کہ در حقیقت نورِ الٰہی ہے اور مصداق ''ہمہ نور ہا پر تو نور اوست'' اس نور کی شان ہے جیسا کہ

حدیث ''اول ما خلق اللہ نوری'' سب سے اول خدا نے میرا نور پیدا کیا ہے۔

نیز دوسری ہے: میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا اور تمام اشیاء میرے نور سے مخلوق ہوئیں اور آیت کریمہ ''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا نور ہے، بنظر دقیق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اسی نور الٰہی کا آئینہ ہے، اور جب کہ مظہر اتم یعنی نور محمدی کو کمالاتِ الٰہیہ سے پورا پورا حصہ ملنا ضروری ہے؛ لٰہذا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تجلی الٰہی کی ایک چمک ہے اور عالم جان و جہان اس نور سے روشن ہے اور یہی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حقیقۃ الحقائق ہے۔

روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دی کہ جملہ انبیائے کرام سے ملاقات کرو، پس نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وقت ملاقات کے انوارِ انبیاء کرام پر غالب آیا اور سب کو گھیر لیا، انبیاء علیہم السلام نے عرض کیا، خداوندا! یہ کس کا نور مبارک ہے کہ ہم سب پر حاوی ہو گیا اور ہم اس کے سائے میں آ گئے، خطاب احدیت اس طرح ہوا:

یہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اگر تم سب اس پر ایمان لاؤ تو سب کو درجۂ رسالت و نبوت عطا کروں گا، انبیائے کرام نے عرض کیا خداوندا! ہم دل و جان سے ایمان لائے اور اس نور مبارک کے آگے سر نیاز ختم کرتے ہیں؛ کیونکہ ہم کو بھی تو راہِ دین میں ایک چراغ درکار ہے۔



سِرَاجٌ، مِصْبَاحٌ

ایسے چراغِ ہدایت کہ آپ کی ذات بابرکات سے تاریکی کفر و ضلالت اٹھ گئی اور ایمانداروں کے دل نورِ ایمان سے روشن ہو گئے۔

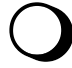
آیت کریمہ:"مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ" نورالٰہی کی مثال جیسے ایک طاق میں چراغ روشن ہو، باریک نظر دریافت کرسکتی ہے کہ یہ نورمحمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے،اس دلیل سے کہ نورمحمدی صلی اللہ علیہ وسلم مظہر کمالاتِ الٰہی، گنجینۂ فیوضات نا متناہی ہے، تحقیق اس کی بحث اسم نور میں گذرچکی۔

وجہ اس کی کہ یہ آیت تمثیل نورمحمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ومحبت مرد ایماندار کے دل میں قرار پکڑے جس طرح شمع کے اندر فتیلہ ہوتا ہے اور وہی روشن ہوتا ہے اور جب عشق سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم دل میں متمکن ہوا تو انوارِرسالت اور آثارِنبوت حاصل ہوں گے اب اس عاشق کو لازم ہے کہ طریق رسالت پر جو کہ سراسر ہدایت ہے، چلا جائے اور اس راہ سے ذرہ برابر بھی قدم نہ ڈگے، مگر ہر کسی کو یہ سعادتِ عظمٰی نصیب نہیں، یہ دولت تو خداداد ہے اور اللہ تعالٰی خود فرماتا ہے "یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَشَاءُ" حق تعالٰی اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھلاتا ہے اور یہ نورنورِصفاتِ الٰہی ہے، اس کی مظہر حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل سے راہ ملتی ہے اور انوارِصفات الٰہی جلوہ گر ہوتے ہیں۔

فائدہ

کشف الاسرار میں ہے کہ حق تعالٰی نے آفتاب کو سراج وہاج (چراغ روشن) فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سراج منیر دوسروں کو روشن کرنے والا ارشاد ہوا، فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے چراغ آفتاب روشن ہے، آفتاب آسمان کا چراغ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان و زمین کے روشن چراغ ہیں، آپ کی روشنی رات ودن یکساں ہے، کسی وقت فرق نہیں،

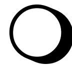
آفتاب صرف دن کو ظاہر ہوتا ہے، آفتاب چراغ دنیا ہے اور آپ چراغ دین، آفتاب آب وگل یعنی ظاہری اجسام کا چراغ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جان ودل کے چراغ ہیں، چونکہ ایمان داروں کی راہ میں جو چراغ ہو اس میں ضرور ہدایت کی روشنی ہونا چاہیے، اسی واسطے آپ سرتاپا:



هُدیً

ہدایت ہیں، یعنی ہدایت کرنے والے۔

مصدر کا اطلاق اسم فاعل پر بقصد مبالغہ ہوتا ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں "لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِلْمُتَّقِیْنَ" لفظ "ھدی" قرآن شریف کی صفت میں وارد ہے، گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ کمال ہدایت ورہنمائی کی مثل قرآن مجید کے عین ہدایت بن گئے اور آپ کی مثال ہدایت "ھدیً للمتقین" سے بلند ہے، کیونکہ قرآن کی ہدایت پرہیزگاروں تک محدود ہے اور آپ کی ہدایت عام وغیر محدود ہے۔



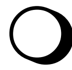
مھدی

کتاب وسنت کی طرف راہ بتانے والے؛ کیونکہ کتاب وسنت پر عمل کرنا ان کے احکام بجالانا، موجب نجات آخرت، سبب دخول جنت، عذابِ دوزخ سے خلاصی کا باعث ہے۔

جب ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت اہل حق کی نظروں میں بھلی معلوم ہوئی اور بذریعہ اتباع شرع محمدی ائمہ دین عالی مراتب ہوئے، امام

مہدی آخرالزماں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نام ہوں گے، صورت وسیرت میں بھی آپ کے مشابہ، ببرکت اتباع دین محمدی ان کا یہ مرتبہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفیق ہوں گے، فتنہ دجال کے دفع کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کریں گے اور جب نماز کا وقت آئے گا، امام مہدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرما دیں گے، آپ امامت کریں، حضرت عیسیٰ جواب دیں گے، میں امامت نہ کروں گا، آپ کے امام آپ ہی کے گروہ سے ہیں، حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کو بزرگی دی ہے۔

حدیث شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: یارو! کس درجہ خوشی کا مقام ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ جیسے نبی مرسل میرے ایک امتی کے پیچھے نماز ادا کریں، خود امامت سے انکار کر کے فرمائیں، تمہارا امام تمہیں میں سے ہے اور امام مہدیؓ کی بلندیِ شان وعظمت آسمان تک پہنچی اور وہ جو فخر کریں ان کو زیبا ہے؛ کیونکہ حضرت عیسیٰ انہیں کی ہدایت سے صلیب توڑیں گے، سور کو قتل کریں گے اور بموجب سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کریں گے، بعد وفات روضۂ پاک نبوی کے اندر مدفون ہوں گے اور قیامت کے روز دونوں صاحب ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے جیسا کہ یہ قصہ حدیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔



منیر

تمام دنیا و اہل دنیا کو اپنے نور سے روشن کرنے والے، یا دلوں کو نورِ ایمان، نور معرفت سے روشنی بخشنے والے۔

حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں بصفت سراجِ منیر

یاد فرمایا ہے۔

کلیمے کہ چرخ فلک طوراوست ☆ ہمہ نور ہا پرتو نوراوست

آپ ایسے کلیم اللہ ہیں کہ آسمان آپ کا طور ہے اور جملہ انوار آپ ہی کے نور مبارک کے پرتو یا عکس ہیں، ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مطلع انوار ہے، نورِ الٰہی چہرۂ مبارک سے ظاہر، چاند، سورج، ستارے سب آپ ہی کے جمال باکمال کے شیدائی ہیں۔

یا منیر کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فقراء ومساکین کے گھروں کو اپنے قدموں سے روشن فرماتے تھے، یا مسلمانوں کی قبروں میں جب صورت نورانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مردوں پر ظاہر کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابت سوال کیا جائے تو دس مردہ کی قبر نورانی ہو کر مثل باغ کے شگفتہ ہو جاتی ہے، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یہی صفت قبر مومن ہے، یہ تو قبر مومن کا حال تھا اور اگر خدانخواستہ مردہ کافر تھا تو جلال وغضب چہرہ آتشیں سے بالعکس ماجرا ظاہر ہوتا ہے اور وہ قبر دوزخ کے غاروں سے ایک گندہ وناپاک غار ہو جاتی ہے۔

نیز ممکن ہے، منیر سے یہ معنی مراد ہوں کہ چشم باطنی مومنین کے فراست ایمان کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے روشن ہو جاتی ہے اور یہ بزرگ مرتبہ مشائخ طریقت کو اتباع سنت وپیروی شریعت سے حاصل ہوتا ہے اور منجملہ نتائج خود فراست ایمانی یہ ہے کہ انسان پر امور پوشیدہ ظاہر ہو جاتے ہیں، پیشانی دیکھتے ہی ہر شخص کے باطن کی خبر ہو جاتی ہے۔

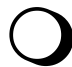
حکایت

ایک گمراہ شخص لباس مکر سے آراستہ اور سب کپڑوں کے نیچے زنّار (جنیئو) کمر

سے باندھے کسی شیخ طریقت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سوال کیا، اس حدیث کے معنی ارشاد فرمایئے: ''اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور وجه الله'' مرد ایماندار کے کشف باطنی، صفائی قلب سے ڈرو، کیونکہ وہ نور الٰہی سے نظر کرتا ہے، شیخ نے فرمایا، اس حدیث کے معنی یہ بھی ہیں کہ تو زنار توڑ کر کفر سے توبہ کر، اس شخص نے کہا: توبہ توبہ میرے پاس زنار کہاں؟ آپ یہ کیا فرماتے ہیں، شیخ نے اپنے مریدوں کو اشارہ کیا، مرید اس شخص پر جھک پڑے، دم کے دم میں اس کی جامہ تلاشی کر کے سب کپڑے اتار ڈالے، زنا اس کی کمر سے کھول کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، شخص منکر نے یہ کرامت شیخ کی دیکھ کر سچے دل سے شیخ کے ہاتھوں پر توبہ کی اور مشرف بہ اسلام ہوا، جب وہ شخص خدمت شیخ سے رخصت ہوا، شیخ نے اپنے مریدوں سے فرمایا: یارو! یہ تو زنار ظاہری تھا جس کو تم نے توڑا، آؤ ہم سب مل کر زنار باطنی کو توڑیں (اس وقت سچے مسلمان ہوں گے) شیخ کے اس فقرہ پر جملہ اہل مجلس تڑپ گئے، ہنگامہ شور بلند ہوا اور سب بآہ وزاری رونے لگے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

توبہ چہ شد پشیمان آمدن ☆ بر درِ حق نو مسلمان آمدن
عام را توبہ ز کارِ بد بود ☆ خاص را توبہ زدید خود بود
گفت پیرے کاندریں رہ پیشواست ☆ توبہ کن از غیر آں ہر چہ خداست

یعنی توبہ اسی کا نام ہے کہ پشیمان ہو کر بارگاہِ ایزدی میں رجوع کرے اور از سر نو مسلمان ہو، مگر توبہ میں بھی فرق ہے، عوام کی توبہ برے کاموں سے ہوتی اور خاص کی توبہ خود بینی سے ہوا کرتی ہے اور در حقیقت توبہ تو یہ ہے کہ جملہ غیر حق تعالیٰ سے پھر کر ذات وحدہ کی جانب متوجہ ہو، مگر یہ فضیلت بہ برکت حضور نبوی اولیاء اللہ کو حاصل ہے۔



داعٍ

بندوں کو جانب توحید و دین اسلام بلانے والے دعوت دینے والے۔

آیت کریمہ ''وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَۃَ وُیُزَکِّیْھِمْ'' اور سکھاتے ہیں ان کو کتاب قرآن اور حکمت اور ان کو پاک کرتے ہیں، اسی پر دلیل ہے اور داعی کو قرآن مجید میں ''دَاعِیَ اللّٰہِ'' بھی فرمایا ہے، جیسے اس آیت میں ''یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوا دَاعِیَ اللّٰہِ'' اے ہماری قوم! خدا کے بلانے والے کی بات مانو اور اللہ پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا، جنات نے بعد قبول اسلام اپنی قوم کو جا کر اس طرح سنایا، جیسا کہ سورۂ احقاف میں یہ قصہ مذکور ہے اور واسطے ثابت کرنے اس مدعا کے کہ یہ دعوت نبوی دراصل اللہ ہی کی طرف ہے اور بالتبع آپ کی جانب اور یہ نہیں کہ بلا اجازتِ الٰہی آپ دعوت کرنے لگے اور درگاہِ الٰہی سے اس کام پر مامور نہیں ہوئے، اور بغرض اظہار اس امر کے کہ جس کی طرف تم سب بلائے جاتے ہو وہ ایک ایسا بادشاہ ہے کہ جملہ مخلوقات پر غالب ہے، تمام امراء و سلاطین، وزیر و بادشاہ وفقیر اسی کی قدرت کے اسیر ہیں اور اس بادشاہ کے قہر و عتاب سے کوئی پناہ نہیں پاسکتا۔

آیات ذیل نازل ہوئیں: ''قُلْ اِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ مَا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَہٗ رَبِّیْ اَمَدًا، عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا، اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا، لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسَالَاتِ رَبِّھِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْھِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا۔

حاصل معنی ان آیاتِ طیبات کا یہ ہے کہ کہہ دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں خود اپنے خدا کو ہر مصیبت پر پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، کہہ دو میرے ہاتھ میں اور قبضہ و اختیار میں کسی کا نفع و نقصان نہیں، یعنی نفع و نقصان پہنچانے

والا خداوند تعالیٰ ہے، کہہ دواے محمد! اگر خداوند تعالیٰ مجھ سے مواخذہ کرے تو اس سے مجھے کو کوئی نہیں چھڑا سکتا اور اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پاتا، مگر تبلیغ رسالت واحکام الٰہی میرا کام ہے اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ ہے ہمیشہ اسی میں رہے گا۔

جان اے برادر! کہ عصیان نافرمانی کو کہتے ہیں اور جب خدا کی نافرمانی مخالفت رسول کے ساتھ جمع ہوگی تو کفر وشرک صادر ہوگا (نعوذ باللہ منہا) اور جو شخص کافر ومشرک ہے اس کو ہمیشہ آتش دوزخ میں رہنا ہوگا جیسا کہ لفظ ''**خالدین**'' سے ظاہر ہے اور جو شخص خدا کا فرمانبردار ہے مگر رسولِ خدا کی نافرمانی کرتا ہے مثلاً خدا پر ایمان لایا اور پیروی شریعت واتباعِ سنت میں قصور کرتا ہے، یا ظاہری احکامِ شرع پر عمل ہے، مگر دل میں ذوقِ طاعت الٰہی نہیں یا اس کے اعمال میں اخلاص نہیں، یا بطور ظاہرداری، ریاکاری، نمود وشہرت کی غرض سے شریعت کے کام کرتا ہے، ایسا شخص ریا کار، فاسق، بدعتی ہے۔

آیات کلام الٰہی واحادیث نبوی دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاسقوں واہل بدعت کا کام ومال کار بغایت درجہ مشکل ہے، یہ لوگ مدتوں تک عذابِ دوزخ میں گرفتار رہیں گے، ہزاروں خرابی اور برسوں کی ذلت وخواری کے بعد امید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت سے عذابِ دوزخ سے نجات پائیں۔

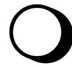
تمثیل دعوت دین اور اس کے قبول کرنے کی مثال حدیث شریف میں اس طرح وارد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سامان دعوت کیا، کھانا پکوایا، ایک آدمی اپنا مقرر کردیا کہ عام طور پر سب کو اذن دعوت دے آئے، جس نے دعوت قبول کی اور اس ضیافت میں آیا، اقسامِ طعام سے خوب سیر ہوا اور جس نے دعوت

سے انکار کیا محروم رہا، دعوت کرنے والا حق تعالیٰ شانہ ہے اور بلانے والا میں ہوں۔

اس حدیث سے خداوند تعالیٰ کی مہربانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بندگانِ خدا کے حق میں کس لطف وخوبی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا میں تو رزق و روزی کی مدد فرمائیں اور آخرت میں بہشت اور نعمتیں مسلمانوں کے واسطے تیار کر رکھی ہیں اور آخرت میں عجیب وغریب کھانے، پینے، نفیس وقیمتی لباس جو شاہان ہفت اقلیم کو بھی نصیب نہ ہوں، ادنیٰ درجہ کے فقیر پائیں گے۔

بہشتی نعمتوں کی تعریف میں صرف ایک یہی آیت ملاحظہ ہو، ''**وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ**'' جنت میں تمہارے لیے وہ چیزیں ہیں جن کی دل آرزو کریں اور آنکھوں کو لذت وتازگی حاصل ہو، اس سے بڑھ کر ملاحظہ ہو ''**ما لا عين رأت ولا اذن سمعت**'' جنت میں وہ نعمتیں ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا داعی ہونا تو بخوبی ذہن نشیں ہوا اور آپ نے یہ کام بخوبی انجام دیا لہٰذا آپ کو بھی خداوند تعالیٰ نے بلایا۔



مَدْعُوٌّ

شب معراج کو درگاہِ رب العزت میں بلائے گئے، یا توحید الٰہی خدائے تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا اس کی طرف بلائے گئے۔

حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بواسطہ حضرت جبرئیل کے دعوت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلق کو بنفس نفیس دعوت کی اور یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ

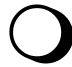
ضیافت خانہ الٰہی میں جو دنیا و آخرت کی نعمتوں سے پر ہے آپ کی دعوت کی گئی؛ کیونکہ ذاتِ بابرکات کا مہمان گرامی قدر مقصود بالذات ہے اور دوسرے حضور کے طفیلی ہیں، اس صورت میں دعوت کنندہ خداوند تعالیٰ شانہ ہے۔

یا مدعو کے معنی یہ ہیں کہ عاشقوں کے گھر ان کے بیت الاحزان ہیں جو کہ آرزوئے دیدارِ جمال باکمال میں طہارت کے ساتھ درود پڑھتے اور اپنی خواب گاہ انواع عطریات سے معطر رکھتے ہیں اور حضور کے دیدار کو سبب سعادت دارین جانتے ہیں، آپ کی دعوت ہوئی۔

دل سرا پردۂ محبت او ست — سینہ آئینہ دار طلعت او ست

سایہ و طوبیٰ او را و قامت یار — فکر ہر کس بہ قدر ہمت او ست

عاشقوں کے دلوں میں محبت الٰہی کے خیمے استادہ ہیں، ان کے سینے آئینۂ جمالِ جاناں ہیں کسی کو طوبیٰ کا سایہ پسند ہے، مگر ہم کو تو ہمارے یار کا قد طوبیٰ بڑھ کر محبوب ہے، بیشک جس قدر ہمت عالی اسی درجہ فکر بلند پرواز ہے، جب بخوبی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "مدعو" ہیں اور دعوت قبول کرنا بھی سنت ہے لہٰذا آپ کو:



مُجِیْبٌ

کہنا سزاوار ہے، یعنی روزِ میثاق روز ازل میں بجواب سوال "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کے سب سے اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "بلیٰ" کے ساتھ اقرار فرمایا اور جملہ ارواح سے پیشتر آپ ہی جواب دینے والے ہیں۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس وقت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم شکم آمنہ خاتون

سے عالم شہود میں جلوہ گر ہوئے ہیں، زمین پر آتے ہی سجدۂ الٰہی بجالائے اور ساری عمر عبادتِ خدا اور یادِ الٰہی میں مشغول رہے اور کبھی تعظیم خداوندی میں کمی نہ کی، مقامِ تعظیم الٰہی میں اپنی تعظیم جائز نہ رکھی، اگر کسی وقت اتفاقاً مسجد میں کوئی آپ کے اصحاب می سے بکمال عقیدت و حسن ارادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تو آپ ان کو منع کرتے اور فرماتے، میرے پروردگار کے گھر میں میری تعظیم نہ کرو۔

یہ وہ مقدس مقام ہے کہ ہم تم سب دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوں، یا مجیب کے معنی یہ ہیں کہ حسن اخلاق کے ساتھ مسلمانوں کی دعوت قبول کرنے والے، تا کہ ان کا دل خوش ہو، دعوت کرنے والا امیر ہو یا فقیر، غلام ہو یا آزاد، کھانا کسی حیثیت کا ہو، صرف جو کی روٹی ہی ہو مگر آپ دعوت ضرور قبول فرماتے۔

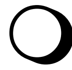
نیز یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محنت و مصیبت کے وقت اپنی حاجت عرض کرنے کو اپنے بلانے والے کی سن لیتے تھے، اگر کوئی مبتلائے مصیبت کہتا، اے رسول اللہ! میری فریاد رسی فرمایئے تو آپ فوراً جواب دیتے اور اس کو ہلاکت سے بچاتے، اگر چہ یہ صفت اجابت دعوت خاص خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اصحابِ کبار، اولیاء اللہ کو بھی اللہ جل شانہ نے براہِ لطف و کرم اس میں سے حصہ کامل عطا فرمایا ہے اور ہر ایک نے علی قدر مراتب کچھ اس میں سے پایا ہے، کسی کو تعجب کی نظر سے اس صفت اجابت کے حصول کا انکار جائز نہیں؛ کیونکہ اس انکار سے معجزاتِ نبوی و کراماتِ اولیاء کا انکار لازم آتا ہے اور یہ خلافِ عقائد اہل سنت و جماعت کے ہے۔

علم غیب اور ہر چیز کا علم ضروری ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے لیکن خواص بندگانِ بارگاہی الٰہی کو ان کی شان و عظمت بڑھانے کو اس صفت کا پرتو عطا فرمایا ہے۔

مردانِ خدا، خدا نہیں ہیں ☆ لیکن اس سے جدا نہیں ہیں

باقی رہا شبہ کہ بعضے آیات جیسے ''اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ''، کون مضطر و پریشان کی پکار کا جواب دیتا ہے یا مثل اس کے دیگر آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی دعا قبول نہیں کرسکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی آیات و احادیث، بت اور بت پرستوں کے حق میں ہیں (یعنی خدا کو چھوڑ بتوں کو بلاتے ہیں، مگر بت ان کی سماعت نہیں کرتے، مصیبت پڑنے پر اگر کام آتا ہے تو خداوند کریم ہی کام آتا ہے) کفار بت پرست اگر چہ اپنی ریاضت و محنت کی وجہ سے کچھ کشف و کرامات حاصل کرلیں (اگر چہ یہ ان کے واسطے استدراج ہے) اور جاہر نادانوں کے روبرو ان کی قدر و منزلت ہو لیکن یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے، ان کو سیر ملکوت (عالم بالا) کی حاصل نہیں ہوتی۔

اور ان کے خوارق عادات مثل کرامات و خرق عادات حضرات اولیاء کرام کے نہیں ہوتے اور نہ ان کو کوئی قیام و دوام ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ خداوند تعالیٰ کے بلانے اور اس کے بندوں کی پکار کا جواب دیتے ہیں تو حق تعالیٰ بھی آپ کے بلانے پر جواب دے گا اور آپ بوصف:



مُجَابٌ

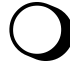
متصف ہیں، یعنی مستجاب الدعوات جو دعا بارگاہِ الٰہی میں کریں قبول ہو، خواہ وہ دعا دنیا میں ہو یا آخرت میں در بابِ شفاعت عاصیان امت۔

ارشادِ نبوی ہے کہ ہر نبی کی ایک خاص دعا قبول ہوتی ہے اور سب پیغمبروں

نے تو اپنی مرادیں دنیا میں حاصل کرلیں، مگر میں نے اپنا مطلب یعنی شفاعت امت قیامت کے واسطے دل میں پوشیدہ رکھا ہے (اس دن عرض کروں گا) اسی مضمون کو کسی نے شعر میں ادا کیا ہے:

ہر نبی خواست چیزے از خدا ☆ من شفاعت خواستم روزِ جزا

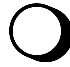
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے حق میں (خواہ وہ کافر و ظالم کیوں نہ ہو) بد دعا نہ فرمائی بلکہ اس کی بھلائی، ہدایت و توفیق کے واسطے دعا کی، سچ ہے مقتضائے لطف و کرم بھی یہی ہے کہ دشمن کے حق میں بھی بری بات نہ کہے۔



حَفِیٌّ

امت کے حال پر مہربان۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت و نوازش جو کہ اپنی امت پر کسی سے بیان ہو سکتی ہے، آپ کا مبعوث ہونا محض رحمت عام ہے اور تمام مخلوق کو رحمت نبوی شامل ہے اور صفت عفو آپ کی کمال مہربانی کی دلیل ہے۔



عَفُوٌّ

گناہ بخشنے والے۔

گناہ عمداً و قصداً ہو یا سہواً بھول چوک سے سرزد ہوا ہو، گناہ کرنے والا آزاد ہو یا غلام، مومن ہو یا کافر، دشمن ہو خواہ دوست غرضیکہ کیسا ہی گناہ ہو اور گنہگار بھی چاہے جو ہو فضیلت عفو قرآن و احادیث سے ثابت ہے، منجملہ ان آیات "وَاعْفُ عَنْهُمْ

وَاصْفَحْ" اے محمد! ان کو بخش دیجیے اور ان کی خطا سے درگذر فرمایئے "وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْضَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ" اور غصہ روکنے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ تو احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اس آیت میں غصہ کھانے والوں اور خطا معاف کرنے والوں کی شان میں صفت محبوبیت الٰہی اور وصف احسان کے ساتھ توصیف فرمائی ہے۔

مرتبہ احسان کا کہ اعلیٰ ترین مقامات سے ان کے حق میں ثابت ہوتا ہے اور جب تک اپنے نفس امارہ پر غالب نہ ہوگا، مغلوب غضب رہے گا اور اس سے عفو تقصیر ممکن نہیں۔

حدیث شریف میں ہے: کیا میں تم کو تم میں زیادہ قوی و طاقت ور شخص نہ بتلا دوں، ایسا مرد قوی وہی ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے نفس کا مالک رہے (مغلوب غضب نہ ہو جائے) اس مضمون کی حدیثیں بکثرت ہیں، حدیث قدسی میں وارد ہے کہ جب بندۂ گنہگار خدا کی درگاہ میں متوجہ ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس سے اعراض فرماتا ہے، پھر بار دگر خدا کو پکارتا ہے خدا پھر روگردان ہوتا ہے، پھر تیسری بار بندہ عاجزی، آہ وزاری کے ساتھ خدا تعالیٰ کو بلاتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! گواہ رہنا، مجھ کو اپنے بندے سے شرم آتی ہے جبکہ اس کا کوئی پرسانِ حال میرے سوا نہیں ہے، میں نے اس کے گناہ بخش دیئے۔

ترا از شرم خدا شرم بادا اے مومن ☆ کہ او غفور شدہ تو نفور می باشی

اے مرد مومن! خدا کی شرم سے تجھ کو شرم کرنا چاہیے وہ تو غفور رحیم ہے اور تو اس سے نفرت کرتا اس سے بھاگتا پھرتا ہے۔

سیر شریف میں روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش وعفو کے مذکور

ہیں، بخوف طوالت ہم ان کو یہاں ذکر نہیں کرتے۔

جاننا چاہیے کہ انبیائے کرام کے سوا کوئی معصوم نہیں اور انسان کو سہو نسیان لازم ہے، اگر دیدۂ انصاف سے اپنے اعمال پر نظر کرو تو ان کو خطا و نسیان بھول چوک سے خالی نہ پاؤ گے، اب اگر تم صفت عفو کو جو کہ خاص صفت الٰہی او طریقۂ پسندیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے، دوست نہیں رکھتے تو قیامت کے دن کیونکر عفو الٰہی کی امید رکھ سکتے ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا حق تعالیٰ اور اس کے بندے اس پر بھی رحم نہ کریں گے۔

بعضے علمائے دین بمصداق آیت کریمہ "مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِہٖ"، جس نے نیک عمل کیا اپنے نفس کے واسطے۔ بطورِ نصیحت کے فرماتے ہیں کہ اگر مرد کینہ ور جس کو بدلا لینا پسند ہے اور لذت عفو سے بالکل بے خبر ہے، خدا کی درگاہ میں التجا کرے اور ہاتھ پھیلا کر دعا مانگے، زبان سے یہ کہے: خداوندا! میرے گناہ معاف کر اور مجھ کو بخش دے، مجھ پر رحم فرما، تو عجب نہیں کہ دعا اس کی مردود ہو اور حق تعالیٰ کی جانب سے تہدیداً یہ ارشاد ہو کیا تو نے ہمارے بندوں کی تقصیرات معاف کیں، ان پر رحم کیا، جو ہم سے رحمت و بخشش و مغفرت کی امید رکھتا ہے "کما تدین تدان" جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے، مشہور حدیث ہے یعنی جس طرح اپنے بھائیوں کے ساتھ معاملہ کرو گے تمہارے ساتھ بھی وہ ویسا ہی برتاؤ کریں گے اور جس قدر خطا و قصور بڑا ہوگا اس کی بخشش میں ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

لطیفۂ روحانی عفو کے بیان میں

صفت عفو جو کہ ایک وصف نورانی اور کمالات رحمانی سے ایک کمال ہے اس کی

شعاع روشن سے یہ لطیفۂ روحانی دل میں گذرتا ہے، کہ جو شخص اپنی ذات کو بے عیب تصور کرتا ہے، دوسروں کے عیب تلاش کرتا رہتا ہے، بزرگانِ دین کا مقولہ ہے:

ع: در عیب نظر مکن کہ بے عیب خداست

کسی کے عیب میں نظر نہ کرو؛ کیونکہ خدا کے سوا کوئی بے عیب نہیں، انسان عیبوں سے معمور ہے۔

شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں: دوسروں کے حق میں نیک گمان رکھنا اور اپنے اندر بدگمان رہنا اہل طریقت کا مقام ہے اور معرفت الٰہی بغیر اس مقام کے طے ہوئے حاصل نہیں ہوئی۔

اور من جملہ ان تعلقات کے کہ سالک کو منزل پر پہنچنے سے روکتے ہیں، نفس نحس و بدبخت کے خطرات ہیں، اپنے سے بے خبر ہو کر زید، عمرو کے خفیہ حالات کی تلاش وجستجو میں مصروف رہنا، غیروں کے احوال میں اس درجہ مصروفیت ہو جاتی ہے کہ اپنے کام میں تأمل کرنا رات دن کا حساب محاسبہ نفس، ان سے انسان غافل ہو جاتا ہے اور ان خطرات کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کے ہتک حرمت، اپنے بھائیوں کی آبرو ریزی کرنا، سب سے بدگمان ہونا، یہ تو دنیوی نقصان ہے۔

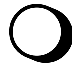
اب دینی نقصان دیکھو کہ اس بیکار شغل میں انسان اپنے نفس کے فریب سے علم وعمل، زہد و پاکدامنی مسلمان میں سب آدمیوں سے افضل و بہتر ہو جائے گا اور آخر کار لفظ ”اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ“ میں اس سے بہتر زبان سے نکل جائے گا، یا دل میں اس کا معتقد ہو گا، حالانکہ یہ کلمہ وہ ہے کہ ابلیس نے دعویٰ کے ساتھ آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں کہا تھا اور اس کی شامت سے لعنت ابدی میں گرفتار ہوا، شیطان کی تو یہی خواہش و آرزو ہے کہ انسان ناقص کو بہکا کر اپنے طرز پر لا کر اپنا مرید بنالے، نعوذ باللہ منہا۔

اے برادر! اگر تم نے نفس شریر کی فریب دہی سے کسی انسان کو جو اہل قبلہ و ایمان دار تھا کافر کر دیا اور نگاہِ تعصب و حسد سے اس پر کفر کا حکم لگا دیا تو قیامت کے دن وہ شخص کلمۂ لا الہ الا اللہ کہتا ہوا تمہارا مدعی ہوگا، اب اس وقت تمہاری حمایت کون کرنے والا ہے، کلمہ طیبہ تو اس کا حامی و مددگار ہوگا اور تم اپنے خبث باطنی سے اس مرد مسلمان کے آگے ذلیل و خوار ہو کر ہار و گے۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

دنیا میں جو بوضع خاکساری ہیں ان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہیے، معلوم نہیں کہ جس بھیس میں کوئی شہسوار ہو اور مرتبہ انسان کامل رکھتا ہو، حضرت یوسف علیہ السلام نبی معصوم تھے، مگر زلیخا کے مقدمہ میں باوجود اپنی پاکدامنی کے کمال تواضع و انکسار کے ساتھ اپنے نفس سے بدگمان ہو کر فرماتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا و لغزش سے پاک نہیں کرتا؛ کیونکہ نفس تو برے کاموں کا ہی حکم کیا کرتا ہے، مگر ہاں جس نفس کو حق تعالیٰ کی مہربانی اپنی حمایت میں لے لے، (اور اس کی نگہبانی کرے، خطا سے بچائے وہ نفس تو محفوظ ہے) پروردگار میرا بخشنے والا مہربان ہے، اب جو شخص آیاتِ متعلقہ بعفو میں نظر و تأمل کر کے بہ تکلف و اختیار خود عفو جرم اپنی عادت کرے وہ شخص یقینی ولایت کا مستحق ہے۔



وَلِيٌّ

دوستِ خدا، مقربِ بارگاہِ صمدیت۔

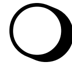
عارفین و کاملین ولی اس کو کہتے ہیں کہ مشاہدہ حق تعالیٰ میں غرق ہو اور خلق سے غائب رہے، یعنی اس کی توجہ تام بجمیع وجوہِ حق سبحانہ کی جانب ہو، خلق سے متوجہ نہ ہو،

اور ہر نبی کو اول درجۂ ولایت عطا ہوتا ہے، اس کے بعد نبوت ملتی ہے اور یہ مقولہ جو مشہور ہے کہ ولایت کا مرتبہ نبوت سے افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت میں نبی کو توجہ جانب بندگانِ خدا ہوتی ہے اور ان کے ساتھ بغیر صحبت و میل جول کے تبلیغ احکامِ شریعت اور اپنا فرض منصبی ادا کرنا ممکن نہیں اور ولایت میں توجہ الی اللہ ہوتی ہے پس اس کو فضیلت ہوئی، مگر یہ حکم عام ولایت کا نہیں بلکہ نبی کی ولایت اس کی نبوت کے لحاظ سے افضل ہے اور نبوت کا درجہ از بس بلند ہے، اور یہ مسئلہ سخت مشکل ہے، اکثر نادان اس باب میں صراطِ مستقیم سے بہک گئے، اور مطلقاً ولایت کو نبوت سے افضل سمجھتے ہیں، ان کی غرض اس گفتگو سے یہ ہے کہ جناب امیر المومنین علیؓ کی ولایت جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے افضل ہے، حالانکہ علمائے دین کا عقیدہ اس مقدمہ میں اس کے برخلاف ہے، ان کے نزدیک ولایت نبوت کے درجہ سے کم ہے، حضرت مجدد الف ثانی، امام ربانی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں مسئلہ ہذا کو خوب تشریح کے ساتھ صاف کر کے بیان فرمایا ہے۔

حاصل اس تقریر کا یہ ہے کہ جو کوئی خدا کی دوستی حاصل کرے اس کو ولی کہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل سے مشائخ طریقت کو منصب ولایت مرحمت ہوتا ہے، اولیاء اللہ کی شان اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے ”أَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ“ اولیاء اللہ کو کسی طرح کا خوف نہیں اور نہ کبھی وہ غمگین ہوں گے، نجاتِ آخرت، بےفکری، امید حسن خاتمہ، اس آیت سے اولیاء اللہ کے حق میں ثابت ہوتی ہے اور حقیقت امر تو یہ ہے کہ جب دوست مخلص محبانِ الٰہی دونوں جہاں سے دست بردار ہوئے، اب ان کو کس کا غم کس کی فکر رہی، وہ تو خدا سے مل گئے اور آفات دو جہاں سے بالکل چھوٹ گئے۔

حکایت

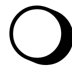
نقل ہے کہ ایک بزرگ روشن دل نے کسی جنگل میں کسی آدمی کے سر کی ہڈی پڑی پائی، اس ہڈی پر قلم قدرت سے لکھا ہوا تھا ''خَسِرَ الدُّنیَا وَ الآخِرَۃِ'' یعنی دنیا و آخرت کا نقصان ہے، اس بزرگ نے جب بغور ملاحظہ کیا، رونے لگے اور کہا: یہ کسی عاشق کا سر ہے جس نے دونوں جہان سے کچھ سروکار نہ رکھا اور اپنے مولیٰ کی امانت کا بوجھ اپنے سر اٹھالیا تھا ''وَ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلاً'' انسان ظالم و جاہل تھا، اس کے حسب حال ہے۔



حَقٌّ

پیغمبر برحق۔

جو کہ حق تعالیٰ کی صفات و اخلاق اختیار کر کے مرتبہ حقانیت میں اس حد تک پہنچ گئے کہ حق کہے گئے، نیز حق من جملہ اسمائے حق تعالیٰ ہے۔

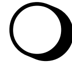


قَوِیٌّ

طاقتور، زور آور۔

اوائے خدماتِ الٰہی میں توانا و قادر یا بارِ امانت الٰہی کے اٹھانے میں قوی ہیں، یا زور و طاقت جسمانی میں آپ اس درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ کسی پہلوان طاقتور شہ زور کو آپ کے مقابلے کی تاب نہ تھی، آنحضرت کے قویٰ کا مضبوط ہونا (باوجود زہد، قلت غذا کے کہ اکثر اوقات روزانہ متواتر صرف پانی کھجور، حضور نبوی کی غذا ہوتی اور

بعض اوقات یہ بھی نہ ہوتا، بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، اکثر روزہ رکھا کرتے، طعامِ لذیذ وغذائے پر تکلف عمداً نہ تناول فرماتے تھے) محض حضور کا معجزہ تھا، رکانہ نام کا مشہور پہلوان تھا، آپ سے کشتی لڑا مگر ہار گیا اور مغلوب ہوا، یہ آپ کی بدنی طاقت کا حال تھا، کتب سیر میں مرقوم ہے کہ اگر کوئی شخص باوصف قوت وشوکت کے صاحب امانت ہو تو وہ خیر محض ہے۔



اَمِیْنٌ

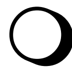
امانت گذار، دیانت شعار، خزانۂ احکامِ الٰہی کے خزانچی۔

ادائے لوازم دیانت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، اور اسرارِ معرفت جو کہ حق تعالیٰ سے بواسطۂ جبرئیل امین کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے، بلا دخل تصرف اور بے افراط وتفریط کے بجنسہٖ اپنے مریدوں کو جن کے حوصلہ بڑھے ہوئے تھے، پہنچا دیئے، پھر ان مریدوں سے وہ امانت سینہ بسینہ حضرات مشائخ صوفیہ کرام تک بطور میراث پہنچ گئی، ان بزرگوں میں سے جس کو یہ نعمت وراثت میں ملی اور وہ راہِ رسالت پا گئے، وہ ہادی ومرشد حقیقی بنے، اور جس نے قدم راہِ شرع سے باہر رکھا، دولت وراثت اس سے سلب ہوگئی، پھر وہ شخص کارِ ہدایت واجبی طور سے نہ ادا کرسکا، بلکہ اندھوں کی طرح بھٹکتا پھرا، اس کی بے بصیرتی کا نشان یہ لکھتے ہیں کہ ایسا پیر ومرشد برائے نام، باریک باتیں، تاریک دلوں میں ڈالتا ہے اور بجائے نور کے ظلمت وکدورت اس شخص کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے، فرق عابد ومعبود، خالق ومخلوق کا بالکل اٹھ گیا، حالانکہ ہزاروں انبیاء، اصفیاء، اولیاء کی زبانی عابد ومعبود میں فرق معلوم ہو چکا ہے، ایسے مرشد

و پیر کا انجامِ کار یہ ہوتا ہے کہ اس کے مرید اسرارِ الٰہی ضبط نہیں کر سکتے ہیں بلکہ خبط میں پڑ جاتے ہیں، بجائے توحید الٰہی، طاعت، عبادت، ریاضت کے اباحت، الحاد، زندقہ اور فساد کا ظہور ہوتا ہے، حضرت مولانائے روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس نہ ہر دستے نباید داد دست

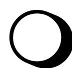
یعنی بہت سے مشائخ انسان کی صورت میں ہیں، مگر دراصل ابلیس، شیطان ہیں لہٰذا مرید ہونے والے کو چاہیے کہ دیکھ بھال کر مرید ہو، مشہو مثل ہے کہ کچا صوفی پکا ملحد ہے، اگر کسی کو اس نازک مسئلہ کے دریافت کرنے کا شوق ہو تو علمائے سلف وائمہ تصوف کی کتابیں مطالعہ کرے، جیسے احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، منہاج الدین، عوارف، معارف، ملفوظاتِ حضرت غوث الاعظمؒ، مکتوبات یحییٰ منیری، امید ہے کہ وہ منزل پا جائے گا اور جو شخص ایسا صاحب امانت ہوگا، حق تعالیٰ ہر حال میں اس کو اپنے حفظ وامان میں رکھے گا۔



مَامُوْنُ

شرارت نفس، شرارتِ شیطان، شرارت حاسدوں سے اس میں رکھے گئے یا جملہ امراض وعیوب بدنی وجسمانی سے محفوظ۔

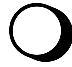
جیسا کہ عادات شریفہ، اخلاق وآداب محمدی سے بخوبی واضح ہے اور جس کو خداوند تعالیٰ شر نفس سے امن بخشے، اس کو صاحب کرامت بھی کرتا ہے۔



کَرِیُمٌ مُکَرَّمٌ

بزرگ حسب ونسب میں، تمام مخلوقات اور جملہ موجودات عالم بزرگی دیئے گئے۔

یہ کرامت و بزرگی بایں شرافت کسی نبی میں نہیں، نیز کریم بمعنی سخاوت، دریا دل، جوانمرد کے ہے، سخاوت و جوانمردی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتب سیر میں بتفصیل مذکور ہے اور کریم خداوند تعالیٰ کا بھی نام ہے، لہٰذا وہی بزرگی و کرم خدائے پاک کے لطف سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرامت ہوئی، اس کے ساتھ رفعت شان وعلو مکان بھی آپ کو حاصل ہے۔



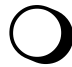
مَکِیُنٌ

صاحب مرتبہ ومقام عالی۔

کیونکہ ظہورِ ہستی عالم آپ ہی کے سبب ہوا، اور عرش سے فرش تک سب جگہ آپ ہی کی خوبی، حسب ونسب سب کی زبان پر ہے اور چونکہ یہ مشہور بات ہے کہ مکان کی شرافت و بزرگی مکان کے رہنے والے سے ہے، لہٰذا حضور عالم اس دارِ فانی سے راہی ملک بقا ہوئے، تمام دنیا عاشقوں کی آنکھوں میں تاریک ہوگئی، اور سب طرف ایک اندھیرا چھا گیا، باغ ہستی میں سب جگہ کانٹے ہی کانٹے ہوگئے، اور تغیرات عجب سے سارا عالم بھر گیا، دین کی عمارت ومحل میں جیسی کچھ صفائی، پاکی، تازگی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی، وہ باقی نہ رہی، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخبر صادق تھے، حضور نے اپنی زندگی میں ان تغیرات وتصرفات کی خبر دے کر فرمایا تھا: ''قریب ہے میرے بعد مسلمان تہتر گروہ ہو جائیں، ان میں فقط ایک ہی

گروہ نجات پانے والا ہے اور بہتر فرقے دوزخ میں پڑیں گے'' صحابہ نے عرض کیا: حضرت! اس ایک فرقہ کی علامت ونشانی کیا ہوگی، فرمایا: ان کا نشان یہی ہے کہ میری شرع وسنت پر قائم رہنے والے ہوں گے اوران کا لقب اہل سنت و جماعت ہوگا۔

ارشادِ نبوی ہے: بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھراس کے بعد وہ لوگ جو اس سے ملے ہوئے زمانے میں ہوں گے، بعدازاں وہ لوگ جو اس زمانے کے بعد ہوں گے، اس حدیث سے زمانۂ صحابہ وتابعین و تبع تابعین کا زمانہ خیر وخوبی کا ہونا معلوم ہوتا ہے، ان تینوں زمانوں کے بعد ظالموں، ستمگاروں، اپنے زور سے بادشاہ ہونے والوں کا زمانہ ہے، پھر رفتہ رفتہ دین اسلام میں اس قدر اختلاف وتغیر پیدا ہوا کہ عادات نیک واخلاق حمیدہ میں بالکل کمی ہوگئی، اب یہ صورت پیش آئی ہے کہ مسلمانی کتاب میں اور مسلمان قبر میں، اس مثل کا پورا پورا مصداق عالم میں موجود ہے، صاحب دل کی عبرت حاصل کرنے کو یہی اشارہ کافی ہے۔

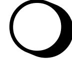


مَتِیْنُ

صاحب متانت، طاعت الٰہی مین مضبوط۔

ریاضت ومجاہدے سے کسی حال میں پہلوتہی نہ کی، دشمنانِ دین، کفار اشرار کے مقابلہ میں کبھی کچے نہ ہوئے، اسلام وصراطِ مستقیم، توحید پر ثابت قدم، جاہلوں کے طعن وتشنیع اوران کی شرارت وفساد سے بجا آوری احکام خداوندی میں تقصیر نہ کی، اگرچہ کفار نابکار ہمیشہ برسرمخالفت رہے اور حضور کی ایذارسانی، بے حرمتی پر کمر باندھ کر بیجا تہمتیں لگاتے، بے ادبیاں کرتے، آپ کو مجنون، شاعر، ساحر، کاہن کا خطاب دیتے،

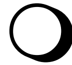
آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متانت، قوت، صبر، استقلال، تحمل سے خود ان بے حیاؤں کی کمریں ٹوٹ گئیں اوران کی جھوٹی تہمتوں، جھوٹی باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کو کچھ نقصان نہ پہنچا، بلکہ آپ کا مرتبہ روز افزوں ترقی پر ہوتا رہا اور ہر روز آپ ہی کا نام شہرت پذیر ہوا۔



مُبِیْنٌ

ظاہر وآشکارا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ونشان، حجت و برہان بواسطہ معجزوں اور خرق عادات کے خوب ظاہر ہو گیا، تمام موجوداتِ عالم، جملہ ذراتِ کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے گواہ ہیں اور آپ پر ایمان لائے، دل وزبان سے نعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں۔



مُؤَمّلٌ

دنیا وآخرت میں فضل ایزدی کے امید وار، یا امید گاہِ خلائق، بیکسوں کے وسیلہ، عاجز و درماندہ کے دستگیر، گنہگارانِ امت کے پشت و پناہ، فردائے قیامت کو عقدہ مشکلہ۔

باب شفاعت آپ ہی کی ذاتِ بابرکات سے حل ہوگا، اور صدائے امتی امتی سے ایک شور عظیم زیر آسمان بلند ہوگا، اس وقت دریائے رحمت الٰہی جوش میں آئے گا۔ (پھر کیا کہنا، ہم جیسے گنہگاروں کی عید ہے، بے تکلف بہشت بریں میں داخل)

○

وَصُوْلٌ

ذوی الارحام، ناتے داروں کوملانے والے۔

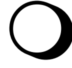
حدیث شریف ہے: رحم رحمٰن سے مشتق ہے، پس جوکوئی صلہ رحمی کرے گا یعنی اپنے رشتہ داروں، عزیزوں سے ملاپ رکھ کران سے نیک معاملہ رکھے گا، حق قرابت ذوی القربیٰ ادا کرے گا، خدا کی رحمت اس کی یارو مددگار ہوگی، اور جوکوئی اس کے خلاف قطع رحم کرکے ذوی الارحام کے ساتھ بہ لطف واحسان پیش نہ آئے، حق تعالیٰ اس کی امید قطع کردے گا، یعنی اس کے خلاف امید معاملہ ہوگا، یا وصول کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کوبھی ملاتے تھےاور سلوک کرتے تھے جوآپ سے قطع کرنا چاہتا ہو، یعنی آپ دشمن سے بہ نیکی واحسان پیش آتے اور بدی کا بدلہ نیکی ہی کرتے تھے۔

آسائش دوگیتی تفسیر این دوحرف ست ☆ بادوستان تلطف بادشمنان مدارا

دو جہاں کی آسائش وآرام نہیں، دوحرف کا حاصل معنی ہے، دوستوں کے ساتھ نرمی ومہربانی، دشمنوں سے صلح ومدارات کرنا، یا وصول کے معنی یہ ہیں کہ آپ شریعت کوطریقت سے ملانے والے، اپنے جان ودل، آب وگل کوحضرت صمدیت سے پیوند کردیا، یعنی دل سے خدا کی خدائی کی تصدیق کی، اپنے تمام اعضاء کوطاعتِ مولیٰ میں مشغول کیااور یہ پیوند جملہ علائق کے قطع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

تعلق حجابست و بے حاصلے
چو پیوندہا بگلے واصلے

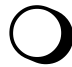
یہ تعلقات دنیوی حجاب راہ وصول ہیں اور ان سے کچھ حاصل نہیں، جب یہ تعلق قطع کردو گے، فوراً بارگاہِ خدا تک واصل ہو جاؤ گے، اور جو شخص منزل قرب الٰہی کو پہنچا، اس کے فضل وکرامات کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔



ذُوْ قُوَّةٍ، ذُوْ حُرْمَةٍ، ذُوْ مَكَانَةٍ ذُوْ عِزٍّ، ذُوْ فَضْلٍ

صاحب قوت، صاحب بزرگی، صاحب رتبہ، صاحب فضیلتِ دنیا و دین۔

چنانچہ صفاتِ مذکورہ بالا سے یہ کمالات بخوبی روشن ہیں اور جملہ بندگانِ خدا کو سزا وار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلندی مراتب پر نگاہ کرکے آپ کی اطاعت میں جان و دل سے مصروف رہیں۔



مُطَاعٌ

اطاعت کیے گئے۔

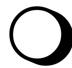
یعنی جن کے نصیب میں سعادت ابدی لکھ دی گئی (چاہے انسان ہوں یا حیوان جمادات ہوں یا نباتات) حضور سرور عالم کے فرمانبردار ہیں، آپ کے حکم سے درخت کا آنا اور کھڑا ہو کر سجدہ کرنا، معجزات میں مذکور ہے، مؤمنین پاک طینت کو لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے باہر قدم نہ رکھیں، اور مرد خدا پرست تو آپ کی اطاعت میں تقصیر نہ کرے گا؛ کیونکہ آپ کی اطاعت میں خدا کی اطاعت ہے۔

آیت کریمہ ''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ'' جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، قرآن پاک میں موجود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شرافت ومنزلت کی وجہ یہی ہے کہ حضور نے وہی ارشاد فرمایا ہے جو بذریعہ وحی الٰہی کے حضور تک پہنچا، آپ اپنی خواہش نفسانی سے کچھ نہیں فرماتے، آپ کا کلام وحی الٰہی ہے اور کوئی بات آپ کی حکمت سے خالی نہیں، دنیا ودین کا نفع اس میں ضرور ہوتا ہے، اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے، آپ مؤمنین پر حریص، ان پر بڑے مہربان ورحیم ہیں۔

جملہ مخلوقاتِ الٰہی کا آپ کی اطاعت کرنا اگر بالتفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آپ کی وفات کے بعد تک لکھا جائے تو دفتر کے دفتر جمع ہو جائیں اور بحث ختم نہ ہو۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، حاضرین کو ارشاد ہوا، سب بیٹھ جائیں، ایک صحابی آرہے تھے، مسجد نبوی کے دروازہ تک پہنچے تھے، یہ حکم سنتے ہی دہلیز پر بیٹھ گئے، اس غرض سے کہ اطاعت نبوی میں تاخیر نہ ہو، جب آپ نے ان کو دہلیز پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے فلانے! اندر چلے آؤ۔

اس قسم کی روایات وحکایات بکثرت ہیں، طالب حق کے واسطے ایک ہی بات کافی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جن، فرشتہ، دیو، آدمی، پری کا مصروف ہونا کچھ تعجب نہیں، کیونکہ آپ خدا کے فرمانبردار بندے ہیں۔



مُطِیْعٌ

کمالِ خوف ونہایت ارادت وعقیدت کے ساتھ احکامِ خدا کی اطاعت کرنے والے۔

اور جیسی اطاعت آپ نے کی، کسی دوسرے سے خواہ وہ صحابی ہو یا ولی وقطب ہو، غوث زمانہ ہو، ایسی اطاعتِ مولیٰ ممکن نہیں۔

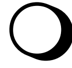
حدیث شریف میں ہے: میں تم سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کا خوف رکھتا ہوں، من جملہ دلائل آپ کی حسن اطاعت کے یہ ہے کہ جس وقت وحی الٰہی نازل ہوتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک لحظہ بھی تاخیر نہ فرماتے بلکہ فوراً اسی وقت وہ احکام خلق الٰہی کو پہنچا دیتے، اگر وقت نزول وحی کے حضور حجرۂ ازواجِ مطہرات میں تشریف فرما ہوتے تو اسی وقت باہر تشریف لے جاتے اور یاروں کو وہ آیاتِ احکام سنا دیتے تھے اور اگر بتقاضائے بشریت کبھی ایسا اتفاق پیش آتا کہ کسی بندۂ خدا کی جانب جو بظاہر مسکین وضعیف ہوتا آپ متوجہ نہیں ہوتے تو بعد عتاب الٰہی کے کہ ''**العتاب هدية الاحباب**'' عتاب دوستوں کا ہدیہ وتحفہ ہے، آپ اس شخص کے گھر تشریف لے جا کر معذرت کرتے۔

اسی کے متعلق تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ایک مرتبہ ابن ام مکتوم خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، یہ نابینا تھے، اس وقت حضور نبوی میں سرداران واشراف قوم بیٹھے تھے (وہ تین آدمی تھے: حضرت عباس بن عبد المطلب جو کہ اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے، امیہ بن خلف جمحی، صفوان بن امیہ یہ سب کافر تھے۔ تفسیر عباسی) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہدایت میں مشغور تھے، ان کو طریق اسلام کی ترغیب وتحریص میں ہمہ تن متوجہ تھے، ابن ام مکتوم نے بوجہ نابینا ہونے کے نہ جانا کہ آپ کس کام میں مصروف ہیں، آتے ہی کہا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے مجھ کو بھی سکھایئے اور یہی کلمات بار بار کہتے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تقاضے او بے صبری سے ملولِ خاطر ہوئے اور ترش رو ہو کر ان کی جانب سے منھ پھیر لیا، یہ آیات طیبات نازل

ہوئیں: ''عَبَسَ وَ تَوَلّٰی اَنْ جَاءَ هُ الْاَعْمٰی، فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی'' یعنی آپ نے تیوری چڑھائی اور منھ موڑا، اس پر کہ آپ کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ پاک ہوتا یا نصیحت سنتا اور اس کو نصیحت نفع دیتی؛ لیکن جو بے پرواہ اور مالدار ہے آپ اس کے واسطے ہمہ تن متوجہ ہوتے ہیں اور کچھ نقصان آپ کا نہیں کہ جن کی طرف آپ متوجہ تھے وہ پاک نہ ہوں اور راہِ توحید نہ قبول کریں؛ لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا آیا اور وہ خدا سے ڈرتا ہے (یعنی ابن ام مکتوم) پس آپ اس سے غفلت کرتے ہیں، یہ آیات آپ پر عتاباً نازل ہوئیں۔

مروی ہے کہ اس کے بعد آپ ابن ام مکتوم کو دل سے دوست رکھتے ان کا اکرام فرماتے، اکثر ان کو دیکھ کر ارشاد فرماتے: ''خوش آمدی'' اے دوست! تمہارے ہی مقدمے میں خدا نے مجھ پر عتاب کیا، مسکینوں و معذوروں کی جانب متوجہ ہونا بخوبی سکھلا دیا، دو مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت سفر مدینہ منورہ سے ابن ام مکتومؓ کو اپنی جگہ خلیفہ مقرر کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تفسیر عزیزی میں ارقام فرماتے ہیں: من جملہ فوائد نزولِ آیاتِ ہذا سے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں اور اطاعت الٰہی میں جملہ انبیاء کرام پر سبقت لے گئے، اور کبھی کوئی حکم خداوندی آپ نے پوشیدہ نہ رکھا اور کوئی آیت خواہ متضمن بر مدح وثنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا اس میں آپ کی شکایت، آپ پر عتاب ہو، مخفی نہ رکھی، من جملہ فوائد یہ بھی ہے کہ ان آیات کا قرآن مجید میں ہونا دلیل واضح اس پر ہے کہ قرآن پاک بیشک کلام الٰہی ہے اور محمد رسول اللہ بندۂ خاص خدا کے فرمانبردار پروردگارِ عالم کے ہیں، جس کی عقل سلیم ہے وہ یہ باتیں خوب سمجھتا ہے اور جو صاحب صدق ہیں انہیں کی شان حسن اطاعت ہے۔



قَدَمَ صِدُقٍ

جہاں والوں کوراستی ودرستی عقائدکی جانب راہ دکھانے والے،قوم کےآگے چلنے والے۔

اور یہ صفت منصب شفاعت پر دال ہے، کیونکہ شفیع اکثر آگے سب کے ہوتا ہےاور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ محبت وعشق الٰہی میں ثابت قدم تھے، باوجودیکہ انواع آفات، حوادث زمانہ آپ ملاحظہ فرماتے، خوف جان بھی تھا، کافروں کے ہاتھوں سے بہت کچھ ایذائیں اٹھائیں مگر خدا کی محبت سے نہ پھرے، بلکہ جس قدر محنت واذیت زیادہ مشاہدہ کرتے اسی قدر عشق الٰہی کو ترقی ہوتی، اورکلمۃ اللہ کے اعلان میں نقد جان عزیز کوہتھیلی پر رکھ کرلشکر دشمنانِ خونخوار سے کبھی ہراسان وخائف نہ ہوئے، نیز ''قدم صدق'' کے معنی سچے معاملہ والے، سچ کہنے والے کے ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ مرد کریم جو وعدہ کرتا ہے، پورا کرتا ہےاور جب کسی کوخوف دلاتا ہےتواس سے درگذر کرتا ہے،اس پرحضور کاعمل تھا، بجزحق بات کے نہ کہتے، اگر چہاس میں آپ کا نقصان ذاتی ہوتا، خوش طبعی اور دل لگی اور مزاح میں بھی سچ بات ارشادفرماتے، راست گوئی، راست کرداری نے آپ کے بدولت اس درجہ رواج پایا کہ وضو، طہارت، کنگھا کرنا، جوتی پہننا، ان کاموں میں بھی جانب دست راست سےابتدا کرتے، تاکہ راستی آپ کی عادت وملکہ ہوجائے۔

احادیث میں وارد ہےآنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانب راست سے ابتدا ہر کام میں پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ جوتا پہننے میں اور شانہ کرنے میں، دوسری روایت میں اس قدر زیادہ ہے کہ ہرکام میں یہی حضور کامعمول تھا۔

○

رَحمَۃٌ

رحمت الٰہی کے چشمہ ٔ رواں۔

کہ زمین سے تا بآسماں، ماہ سے تا بماہی جملہ موجودات آپ کی احسان مند ہے اور سب کو آپ کی رحمت شامل ہے، آپ کی رحمت کا بیان اس سے زائد کیا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''ہم نے تم کو رسول رحمۃ للعالمین کیا ہے'' آپ مجسم رحمت ہیں، اس نبی الرحمۃ میں رحمت نبوی کے آثار کسی قدر راو پر گذر چکے ہیں۔

○

بُشریٰ

مسلمانوں کے واسطے مژدہ جنت۔

اور اس کی نعمتیں، دیدارِ الٰہی، سیر باغات، بہشت بریں حور وغلمان ملنے کے بشارت عظمیٰ ہیں، اسم بشیر ومبشر کی شرح میں اس نعت کے متعلق ملاحظہ ہو۔

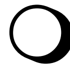
○

غَوثٌ

اہل عالم کے فریادرس، عاجزوں، بے کسوں کے دستگیر۔

آپ بنی آدم اور جانوران وحشی و پرندگان صحرائی کی فریاد کو پہنچا کرتے تھے، اور ان کی خدمت، ان کا کام کر دینا، کبھی آنحضرت کو گراں نہ گذرتا، تنہائی وخلوت میں اگر آپ سے کوئی بات کہنا چاہتا آپ قبول فرماتے اور اس کی بات دل سے سنتے، اور اپنے

مریدوں، معتقدوں کی اعانت میں تو کوئی دقیقہ نہ باقی رکھا، مقدمہ اصلاح مومنین، مسلمانوں کے درمیان صلح کرادینے میں، میاں بیوی کے درمیان میل جول کرادینے میں کمال اہتمام وتوجہ فرماتے اور قانونِ عدالت جاری کرنے میں کسی کا پاس ولحاظ کرتے، مشرکوں اور ذمی کافروں پر کبھی ظلم وستم گوارا نہ رکھا، فریادی دادخواہ کو اپنے نزدیک بلاکر تسلی وتشفی کے ساتھ اس کا حال سنتے اور اپنے عاملوں، نائبوں کے ہاتھ میں اس کو گرفتار نہ رکھتے، فیصلہ مقدمات میں جانب حق کو نگاہ رکھتے اور فرماتے کہ میں اپنی علم اور سمجھ کی رو سے فتویٰ دیتا اور فیصلہ کرتا ہوں، اگر کوئی اپنے مقدمے میں میرے روبرو خلاف واقع مجھ کو دھوکا دے کر، جھوٹے گواہ گذران کر کسی کا حق دبالے تو اس کا مؤاخذہ آخرت میں ہوگا اور خدا کے ہاتھ سے جو چاہے سزا دے، میں اس سے بری ہوں۔

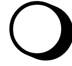


غَیثْ

بارانِ رحمت، باغ ہستی میں جز سے کل تک اور خار سے گل تک سب اسی پانی کے پرورش یافتہ ہیں، اور یہ بارانِ مکرمت درحقیقت مبدأ فیاض (خداوند عالم) کے دریائے رحمت سے آتا ہے اور اس باغ عالم کی شادابی اور اولادِ آدم کی رونق وتازگی اسی کے دم سے ہے، کشت مراد حاجت مندان ناکامی سے سرسبز اہل زبان وزمین اسی کے طفیل سے سیراب یا اس طرح کہو کہ ذات مقدس حضور نبوی ایک ایسا باران ہے کہ جس سے فیض کی بارش ہوتی ہے اور چمنستان دنیا میں کلمہ طیبہ کا درخت جس کی شان یہ ہے کہ جڑ اس کی مضبوط وقائم ہے، شاخیں آسمان تک پہنچی ہیں، آپ ہی کے دم قدم سے شاداب ہے، اس درخت نے اسی مینہ کا پانی پایا اور درخت ایمان نے بھی آپ ہی

کے سینچنے سے باغِ ہستی میں نشو ونما پائی۔

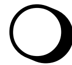
درخت ایمان کی بے شمار شاخیں ہیں، سب میں بڑی اور افضل شاخ لا الہ الا اللہ اور کم درجہ کی ایذا و تکلیف دہندہ اشیا (جیسے کانٹا وغیرہ) کا عام راستے سے دور کرنا اور حیا بھی اسی درخت ایمان کی ایک شاخ ہے۔



غَیَاثٌ

عالم کی فریاد کو پہنچنے والے، مظلوم کا انصاف ظالم سے لے کر پنجۂ مظلوم سے رہائی بخشنے والے۔

فیصلۂ مقدمات و مظالم، قانونِ عدالت شرع کے مطابق کرتے، کسی کی رعایت و خاطر داری ہرگز روا نہ رکھتے، خدمت عدل و انصاف کو محض للہ بجا لاتے، رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں سے ناخوش ہوتے، درحقیقت صفت عدل اس خوبی کے ساتھ نعمت خداداد ہے۔



نِعْمَةُ اللّٰہِ

خدا کی نعمت۔

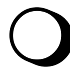
بندگانِ الٰہی کی جان کی غذائے قوت بخش، جمال باکمال عاشقوں کے حق میں باعث حلاوت و تازگی، خداوند تعالیٰ کی نعمتوں میں جن سے تمام عالم بہرہ یاب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک افضل ترین نعماء الٰہی ہے اور باریک نظر

سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آیت کریمہ "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" اگر خدا کی نعمتیں گنو تو اس کا شمار نہ کرسکو گے، اسی کی طرف اشارہ ہے۔

چہ نعمت ست بزرگ از خدا کہ بر ثقلین ☆ سپاسداری آں نعمت اس فرض العین

واقعی حضور سرور عالم ایسی ہی نعمت عظمیٰ ہیں کہ ہر شخص پر اس نعمت کا شکر کرنا فرض عین ہے، نیز آیت کریمہ "اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کیا، اسی دعویٰ پر دلیل میں ہے، ہر ایمان دار تصدیق کرنے والے کو معلوم ہے کہ نعمت وجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نعمت توحید وشہود کے ساتھ مل کر ایک ہوگئی۔

نیز حدیث شریف میں ہے: ایمان کا مزہ اسی شخص نے پایا جو اپنے خدا کو اپنا رب ہونے پر راضی ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور اسلام کو اپنا دین مانا، اس سے بھی یہی اشارہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑی نعمت ہیں، قرآن مجید میں "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" سے آپ ہی کی شرع شریف مقصود ہے، اب جس نے اس نعمت کی قدر جانی، سعادت ابدی اسی کو نصیب ہوئی اور آخرت کا ذخیرہ اسی کے ہاتھ آگیا، اور جو اس نعمت سے محروم رہا کل قیامت کو غم وغصہ اس کی روزی ہوگا، خونِ دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو یہی اس کی غذا ہوگی اور دوزخ میں پڑ کر درخت زقوم کا خون و پیپ، گرم جلتا ہوا پانی پائے گا، اس وقت اپنے ہاتھ کمال افسوس سے کاٹے گا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوگا وائے صد وائے اس نے اس نعمت الٰہی کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔



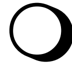
هَدِيَّةُ اللّٰهِ

سوغاتِ الٰہی، اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے ایک نفیس تحفہ۔

جو کہ تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے تا کہ سب لوگ بھیجنے والے کی عظمت پر نظر کر کے اور اس تحفہ کے شرف و کرامت پر لحاظت رکھ کر اپنے سر آنکھوں پر رکھیں، یہ ہدیہ برکتوں کا ایک عجیب وغریب خزانہ ہے کہ عارفوں کی جانوں میں عشق الٰہی پیدا کر دیتا ہے، اس مقام میں بے گانہ وآشنا ایک دوسرے سے ممتاز وجدا ہو جاتے ہیں۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ☆ خدا سے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

ایک دم بیگانہ جو آشنائے خدا ہے وہ ان ہزاروں اپنوں سے جو خدا سے بیگانہ ہوں، اچھا ہے اور یہ سب اس ایک پر فدا ہیں، جو نیک بخت اس ہدیہ شریفہ کو قبول کر کے اپنی جان اس پر فدا کرے گا بحکم آیت کریمہ "اگر تم شکر کرو گے تو میں نعمت زیادہ دوں گا" زیادتی نعمت کا مستحق ہوگا۔



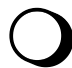
عُروۃُ وُثقیٰ

دستاویز مضبوط۔

جس نے اس دستاویز پر چنگل مارا، مؤاخذہ اخروی سے محفوظ رہا اور جس نے آپ کا طریقہ پسند نہ کیا اور نگاہ بے وقعتی سے دیکھا، غم پر غم اس کو نصیب ہوا، دین ودنیا کی ذلت وخواری میں گرفتار رہا۔

کور آں کسے کہ ترک کند پیروئ تو
بینا کسے کہ ہمت او چنگ در تو زد

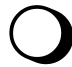
اندھا ہے وہ جو ترک کرے پیروئ رسول، بینا ہے جس نے آپ کا دامن پکڑ لیا۔



صِرَاطُ اللّٰہِ، صِرَاطٌ مُسْتَقِیْمٌ

خدا کی راہ، سیدھا راستہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس صفت سے متصف ہونا، اس واسطے ہے کہ راہِ شریعت وطریقت کی بنیاد وحضور ہی نے رکھی اور آپ کی سنت سنیہ اس راہ کو دکھانے والی ہے، اور علمائے دین، صاحبان یقین کے نزدیک سنت نبوی یہی وحی الٰہی ہے، مگر فرق اتنا ہے کہ قرآن مجید وحی متلو ہے (یعنی ظاہر اور پڑھی ہوئی) اور سنت وحی غیر متلو ہے (بذریعہ الہامِ الٰہی والقا کے آپ تک پہنچی، اگرچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ظاہر ہو کر نہیں پہنچائی) اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ آپ راہِ الٰہی ہیں تو آپ کا ذکر خیر تحسین وآفرین کے ساتھ سب کی زبانوں پر جاری ہونا لازم ہے۔



ذِکْرُ اللّٰہِ

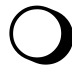
سبب ذکر خدا کے۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت زیبا اور سیرت پسندیدہ کا خیال اپنے دل میں کرے اس کو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہنا چاہیے یا اس نام پاک کے یہ معنی ہیں کہ آپ خدا کے نزدیک یاد ہوتے ہیں، حق تعالیٰ اپنے محبوب کو فرشتگان ملاء اعلیٰ کے روبرو یاد کرتا ہے، درود وسلام آپ پر بھیجتا ہے، جب آپ کا ذکر آتا ہے، فرشتوں اور جملہ اہل ایمان کو اس باب میں تاکید ہے کہ سب آپ پر درود وسلام بھیجا کریں اور آپ کا ذکر خیر سب کی زبانوں پر جاری رہے۔

اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو کسی کو محبوب رکھتا ہے اسی کا ذکر اکثر کرتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت جن وانس پر ظاہر کرنا مقصود تھی، اس واسطے اس باب میں تاکید بلیغ فرمائی گئی اور یہ حکم ہوا کہ آپ کو سب لوگ اپنی اپنی مجلسوں میں بکمال ذوق وشوق یاد کرتے رہیں اور یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ آپ کا یہ وصف ذکر اللہ سے متصف ہونا اس واسطے ہے کہ آپ کے جمال باکمال کو دیکھتے ہی حق تعالیٰ یاد آتا ہے اور دلوں کی غفلت دور ہو جاتی ہے، گویا کہ حضور کا چہرۂ مبارک آئینہ وجلوہ گاہ صورت جمال ایزدی ہے، مضمون: ''الله جميل يحب الجمال'' اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور خوبی وجمال کو دوست رکھتا ہے، اس مقام پر ظاہر ہوگیا۔

حدیث شریف ہے: علی کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے، جب آپ کے مرید کی یہ فضیلت ہے، آپ تو مرشد کامل ہیں، آپ کی بزرگی کی کیا انتہاء ہوگی، بزرگوں کا قول ہے کہ ولی اللہ کی یہ علامت ہے کہ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے اور اس کی صحبت و ملاقات سے توجہ الی اللہ پیدا ہوتی ہے اور معنی آیت کریمہ ''فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' جس طرف منہ پھیرو اسی طرف خدا کی ذات ہے کے بخوبی ظہور پذیر ہوتے ہیں اور یہ صفت آثارِ ولایت کے عمدہ ترین صفات میں ہے اور جس ذات گرامی کا ذکر تیغ زبان کو آبدار کرے وہ اسی قابل ہے کہ بصفت متصف ہوں۔



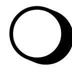
سَيْفُ اللّٰهِ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ خدا کی تلوار ہیں۔

آپ کی مدد سے غازیان ومجاہدین اسلام نے کفار کے لشکروں پر فتح پائی اور اس تلوار الٰہی کی وہ کاٹ ہے کہ کافروں کو بھاگتے راہ نہ ملی، مضمون آیت کریمہ: ''كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ'' گویا کہ گدھے خوف زدہ بھڑ کے

ہوئے ہیں، شیر کو دیکھ کر بھاگے ہیں، معرکۂ جنگ میں کفار کے حق میں ظاہر ہوا کہ وہ ایسے ہی بدحواس ہو کر اپنی جانیں لے کر بھاگ نکلتے تھے اور یہ صفت سیف اللہ، آنحضرت صلی اللہ کے کمال شجاعت کی دلیل ہے یا اس لیے آپ موصوف بایں صفت ہیں کہ ہیبت آپ کی شاہانِ روئے زمین کے دلوں میں اثر کر گئی، والیانِ عرب وعجم نے آپ کی اطاعت قبول کی اور بجز ناج گذاری کے کسی طرح گلوخلاصی نہ دیکھی، یا یہ مطلب ہے کہ تیغ زبان آپ کی برش میں ایک تیز تلوار تھی، اگر اتفاقاً کسی کافر بدنصیب کے حق میں آپ نے دعا فرمائی تو اس کا رشتۂ حیات بالکل قطع ہو گیا۔

جیسا کہ منقول ہے کہ کسی عجمی بادشاہ کو حضور کا فرمان پہنچا اس نے وہ مکتوب پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ گستاخی سن کر فرمایا جس طرح میرا خط پرزے پرزے کر دیا، اس کو شیر پھاڑے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ماسوا اس کے اور آیات ومعجزات سیر نبوی میں مرقوم ہیں، اس سیف زبان میں یہ وصف بھی ہے کہ کبھی بجلی ہی چمک کر رہ جاتی ہے (یعنی فقط ڈرانا مقصود ہوتا ہے) اور کبھی بے ادبوں کے خرمن حیات کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے، خدا اور رسول کے ساتھ بے ادبی وگستاخی کی سزا ان کو اسی دار دنیا میں مل جاتی ہے۔

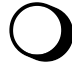


حِزْبُ اللّٰہِ

بمعنی سیف اللہ یا بمعنی خدا کے گروہ۔

اصحاب کرام کی معیت سے حکم واحد کا ہو گیا، جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ ''محمد خدا کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کفار پر سخت ہیں'' جماعت صحابہ کا کام

یہ تھا کہ خدا کا بول بالا کرنے کو لڑیں، دشمنوں کے لشکر کو شکست دے کر بھگا دیں اور بحکم خداوند تعالیٰ ''کافروں کو جس جگہ پاؤ قتل کرو'' ان کی جڑ تک کھود کر نیست و نابود کر دیں، کیونکہ سانپ مار کر اس کا بچہ پالنا اور آگ بجھا کر ایک چنگاری باقی رکھنا، عقل مندوں کا کام نہیں، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کے ساتھ ممالک مشرقی و مغربی کو مسخر فرمایا اور عرب و عجم میں اپنی بادشاہی کا جھنڈا بلند کر دیا، آپ کا نام و نشان مثل آفتاب عالم تاب کے جہاں میں روشن ہوا۔



اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ

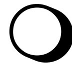
چمک دار باآب و تاب ستارہ۔

ایسے نورانی ستارے کہ آسمانِ ہدایت پر آپ کا مثل کوئی ستارہ روشن نہ تھا، اور جس طرح مسافر تاریک رات میں راہِ خشکی و تری میں ستارہ کی روشنی پر چلتے اور راہ پا جاتے ہیں، راہ دین کے طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ ہدایت سے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔

پاک طینت، روشن دل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس افاضۂ نور کا انکار نہیں کر سکتے اور نہ ان کے سینے میں ظلمت انکار و عناد سے مکدر ہیں، کیونکہ آپ کے ادنیٰ درجہ کے اصحاب کا تو یہ حال ہے کہ برکت صحبت نبوی و تاثیر انوارِ کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں اور ان کی ذات سے ایک عالم نورانی ہے، حدیث شریف میں ہے: ''میرے اصحاب مثل ستاروں کے روشن و درخشاں راہ نما ہیں، تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے، راہ پاؤ گے'' منزل مقصود

تک بے تکلف پہنچ جاؤ گے۔

جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے خواب دیکھا کہ تین چاند آسمان سے اتر کر میرے حجرے میں آئے ہیں، میں نے یہ خواب اپنے والد سے بیان کیا، انہوں نے فرمایا: ''بیٹی! تمہارے حجرے میں تین بزرگ دفن ہوں گے'' جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، جناب صدیق اکبرؓ نے فرمایا: تین چاند جو تم نے خواب میں دیکھے ہیں ان میں سے یہ ایک ہیں۔



مصطفیٰ، مجتبیٰ منتقیٰ

ان تینوں صفات کے ایک معنی ہیں، یعنی یکتا، برگزیدہ، منتخب۔

آپ ہی کے طفیل سے مضمون سورہ اخلاص کا کما حقہ ذہن نشیں ہوتا ہے۔

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل ☆ سلمائے حدوث تو دلیلائے قدم را

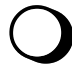
یعنی حکم الٰہی نے ایک اونٹ پر دو محمل رکھ دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود اور خداوند تعالیٰ کا قدمِ لازوال چونکہ ذاتِ برکات حضور سرور کائنات جامع صفاتِ الٰہیہ ہے اور آپ ہی کی ذات سے صفاتِ الٰہیہ کا ظہور اس عالم میں ہوا، لہٰذا مجازاً حدوث وقدم ایک جگہ جمع ہوئے، اسی کے قریب یہ اردو شعر ہے:

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق سے شاغل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

چونکہ دفتر موجودات، فہرست جریدۂ کائنات سے آپ کو انتخاب کرنے والا، منشی ہر دو جہاں، ناظم امور کون ومکان خود اللہ تعالیٰ شانہ ہے؛ لہٰذا اس فرد یگانہ کی نظیر و

مثال قریب بہ لاشریک لہ ہے، جو لوگ دریائے معنی کے شناور ہیں اور گوہر نفیس عقل نورانی ان کو حاصل ہے خوب جانتے ہیں کہ سرچشمۂ اصطفا سے صفوت وصفا، دریائے اجتبا سے موجِ نجابت و بزرگی، منبع انتقا سے عصمت و پاکدامنی صاف صاف جوش زن ہے اور اخوان الصفا کو جو کہ درحقیقت اہل سنت والجماعت ہیں، یہ اوصاف بجانب شاہراہ ہدایت وارشاد راہ دکھلا رہے ہیں کہ ادھر آؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا سے منھ نہ موڑو، جان و دل سے حضور کی اطاعت کرو، دنیا و دین کے سب کاموں میں یقینی طور پر آپ ہی کو اپنا امام اور پیشوائے اولین و آخرین جانو، اسی میں سعادتِ دارین ہے جود و کرم فیاض حقیقی کی مقتضی ہوئی کہ ایک سادہ تختی کو لے کر اس پر اقسام صنائع و بدائع کے رنگین نقش کھینچے، لہٰذا ذات بابرکات حضور سرور کائنات اس کام کے واسطے موزوں نظر آئی اور بلقب:



أمي

ملقب فرمایا، امی اس کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔

اس لقب سے صریح اشارہ ہے کہ علم و دانش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانی ہے اور حضور نے لوح محفوظ سے سبق پڑھا، سیکھا ہے۔

لو ادب اس ادیب سے یارو　　　جس کا استاذ ہے خدا یکتا
اور اسی سے پڑھو سبق تم سب　　　جس نے لوحِ خدا سے علم پڑھا

اگر مرد عارف بغور دیکھے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ صفت بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال علو مرتبہ پر دال ہے؛ کیونکہ علم اولین و آخرین حضور کو عنایت ہوا،

اسرار ملک وملکوت سے خبر دی ہے، سینۂ مبارک گنجینۂ علوم سبحانی ہوا اور آپ مسند خلافت ونبوت کے صدر نشین بنائے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وہ شہرت ہوئی کہ بعض اوقات حضرت جبرئیل امین علیہ السلام حضور اقدس سے مسائل دین پوچھتے اور جوابات پا کر آپ کے بیان کی تصدیق کرتے تا کہ عقلاء اہل اسلام کو آپ کو علو مقام کا یقین ہو جائے اور نیز اس سوال وجواب ومباحثہ علمی سے مسائل دین روشن وصاف ہو جائیں، جیسا کہ در باب ایمان وصفت ایمان واسلام، احسان، علامات آخرت، جبرئیل کا سوال کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا پھر حضرت جبرئیل کا تصدیق کرنا، اسی مطلب کی دلیل واضح ہے، لیکن اس تقریر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت شاگردی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے افضل ہونا مفہوم ہوتا ہے اور یہ بات خلاف واقع کے ہے؛ کیونکہ استاذ کو شاگرد پر فضیلت ہوتی، نہ کہ شاگرد اپنے استاذ سے افضل ہو جائے یہ شبہ بآسانی ادنیٰ تأمل کرنے سے دفع ہوسکتا ہے؛ کیونکہ اکثر شاگرد اپنے استادوں سے سبقت لے جاتے ہیں اور انسان تہذیب واخلاق میں اگر کامل ہو تو فرشتہ سے بڑھ جاتا ہے اور یہ مسئلہ علماء دین کے نزدیک مسلم ہے۔

آدمی چیست طرفہ معجونے | کز فرشتہ سرشتہ در حیوان
گر کند میل ایں شر و بد ازیں | در کند میل آن شر و بہ ازاں

انسان ایک طرف معجون مرکب ہے، اس کی طینت وخلقت فرشتہ وحیوان سے ہے، اگر حیوانیت نے زور کیا اور نفس شیطانی کا غلبہ ہوا تو یہ بدتر از حیوان ہے اور اگر صفاتِ ملکوتی حاصل کر کے عالم بالا کی سیر کرنے لگا تو فرشتہ سے بڑھ گیا، ظاہر ہے کہ جو تقرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ ایزدی میں حاصل ہوا، کسی مقرب فرشتہ کو

اس کی خبر تک نہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا درجہ بہت عالی ہے، مگر ان کا انتہائی مقام سدرۃ المنتہیٰ ہے، اس سے اوپر ایک قدم نہیں بڑھ سکتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے آگے خدا جانے کہاں تک پہنچے، علم جزئی وکلی تمام حاصل کیے، آیت کریمہ: ''اَوْحیٰ اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ'' اس پر دلالت کرتی ہے۔

حاصل کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا ایسا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے درجاتِ جملہ علوم عطا کیے اور جملہ معلومات کا علم آپ کو دیا اور یہ مرتبہ مرحمت ہوا کہ زمانہ کے علماء وفضلاء، استاذ تجربہ کار ذی علم ہوشیار نے جن کے تبحر علمی کی دھوم تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو زانوئے شاگردی تہہ کیا اور ببرکت تلمذ یقین کرلیا کہ آپ کے علم کا منبع عرش پر کس کا تسلط ہے، علام الغیوب، خالق الاشیاء کا ''الرحمٰن علی العرش استویٰ'' اس کی صفت وشان ہے، ایسے عالیشان بلند مکان مبدأ فیاض نے اپنے خاص بندے کے تعلیم میں جو اہتمام کیا وہ اس کی شان الوہیت کے مناسب تھا، پھر اپنے خلیفہ کی تعلیم میں جو کچھ تاکید وتشدید آیات بینات، مجملات، محکمات، نصوص قطعیہ سے کی وہ ظاہر وباہر ہے، یکبارگی سارا قرآن نہ اتارا؛ کیونکہ فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا اسی تدریجی تنزیل میں متصور تھا ''ایک حرف لے اور ہزار بار کہہ''، ''کل کی طلب، کل کا فوت کرنا ہے'' یہ دو مشہور مثالیں ہیں۔

معلم کا دستور ہے کہ جب تک شاگرد رشید کو ایک سبق خوب یاد نہیں ہوتا اور اس کے مطالب ومضامین خوب ذہن نشین نہیں ہوتے، دوسرا سبق اس کو نہیں دیتا، یہی طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے استاذ ومہربان نے برتا اور بذریعہ آیات ہٰذا اس طرح ارشاد ''لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ فَاِذَا قَرَأْنَاہُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَہُ'' الخ، اے محمد! جب جبرئیل تم پر قرآں لے کر نازل ہوں اور تم کو

آیات قرآنی سنائیں (توتم پہلے خوب کان لگا کر سن لیا کرواور بھول جانے کے خوف سے)اپنی زبان کوان آیات کے پڑھنے میں حرکت نہ دیا کرواور خود پڑھنے میں عجلت نہ کیا کرو، بلکہ جس وقت جبرئیل آیاتِ قرآن سنا کر خاموش ہوں تو تم انہیں آیات کو پڑھو، ہمارا ذمہ ہے کہ قرآن تمہارے سینے میں جمع کردیں گے اورتم سے پڑھوا دیں گے، پھراس کی تشریح وبیان بھی کردیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب حضرت جبرئیل آیاتِ قرآنی لے کرآتے اورآپ کوسناتے توآپ بخوف فراموشی چپکے چپکے عجلت کے ساتھ انہیں الفاظ کواپنی زبان سے ادا کرتے جاتے، اس میں حضور کوتکلیف ہوتی اور یہ بھی خیال تھا کہ کوئی لفظ سننے سے نہ رہ جائے اور یہ بھی اندیشہ کہ کہیں ایسا نہ ہوکہ بعد ختم وحی کے کوئی لفظ آپ کی زبان مبارک سے نہ ادا ہوسکے، خداوند تعالیٰ نے یہ طریقہ آسان تعلیم فرمایااور وعدہ کیا کہ قرآن یاد کرادینا ہمارا کام ہے،تم پریشان خاطر نہ ہو،غرضیکہ علوم نافعہ سب آپ کوسکھا دیئے،اور جن علوم میں معتدبہ فائدہ نہ تھا جیسے حکمت، فلسفہ، منطق ، ہندسہ، ہیئات ، ریاضی ان کی تعلیم کی: کیونکہ ان علوم کے حاصل کرنے میں کوئی مفید نتیجہ نہیں، پہاڑ کھودنا اور ایک چوہا مارنا مشکل سے حاصل ہوں اور بے فائدہ؛ بلکہ ان علموں سے اندیشہ فساد ذہن اور شاہراہ معرفت سے بے راہ ہونے کا خوف ہے اورعلم تفسیر وحدیث، فقہ کہ درحقیقت سرچشمۂ ہدایت ہیں اوران کومنقولات کہتے ہیں، اوراکثر معقولی ان علوم کے دقائق وغوامض سمجھنے سے قاصر ہیں۔

تم ان میں مشغول رہے (اگرچہ ان علوم کی کتابیں اس وقت مدون نہ تھی ،مگر یہ علوم مستنبط قرآن سے ہیں اورقرآن وحدیث کا شغل ان علوم کا شغل ہے) مفسرین کے اقوال سے ثابت ہے کہ قرآن مجید میں جس حکمت کی تعریف اس آیت سے نکلتی

ہے ''مَنْ یُؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا'' جو شخص حکمت دیا گیا اس کو خیر کثیر عطا ہوئی، مراد حکمت سے علم فروع واصول فقہ ہے۔

حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ جس کسی کے حق میں خداوند تعالیٰ خیر و بھلائی چاہتا ہے اس کو علم دین سمجھنے کی قوت عطا کرتا ہے، خداوند تعالیٰ کو اپنے شاگرد رشید کی ترقی منظور تھی لہٰذا حکم کیا کہ آپ اکثر یہ دعا پڑھا کریں: ''رب زدنی علماً'' خدا وندا! میرا علم زیادہ کر، اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ علم بے فائدہ سے پناہ مانگو اور یہ کہو: خدا وندا! میں علم بے نفع سے پناہ مانگتا ہوں اور آپ کو تاکید تھی کہ مطابق علم کے عمل کیا کرو؛ کیونکہ علم بے عمل موجب عذاب آخرت ہے اور عمل بے علم سبب گمراہی وضلالت ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہے۔



علم کے اقسام اور ان کے احکام

تحصیل علم چند طرح ہے:

اول فرض عین: علم مسائل دین کا سیکھنا ہر ایک پر فرض عین ہے۔

دوم فرض کفایہ: حاجت سے زیادہ، دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے حاصل کرنا۔

سوم مندوب ومباح: علم فقہ وتصوف واخلاق میں تبحر وملکہ پیدا کرنا، ہر شخص کو مباح ہے۔

چہارم حرام: اور وہ علوم یہ ہیں: فلسفہ، شعبدہ، نجوم، رمل، علم طبیعات، سحر، کہانت، منطق، علم حرف یعنی علم جفر، علم موسیقی (گانا بجانا) فلسفہ کو اہل اسلام موہمہ کہتے ہیں، یعنی یہ علم ظاہر میں اچھا مگر باطن میں برا ہے (جیسے تانبے پیتل پر سونے کا ملمع کیا ہو زیور یا برتن وغیرہ) علم فلسفہ سے عقائد فاسد ہو جاتے ہیں، مثلاً اعتقاد عالم کا قدیم ہونا اور مسائل جو موجب کفر ہیں (جیسے آسمان کا پھٹ جانا اور پھر جڑ جانا، اہل فلسفہ کے نزدیک منع ہے، قیامت میں جسم کا اسی جیسا کہ اب دنیا میں ہے، دوبارہ بہمہ جہت تیار ہو کر حساب وکتاب وغیرہ کے واسطے اٹھنا، فلسفی اس کے منکر ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ مسائل فلسفی اور انکا اعتقاد رکھنا کفر ہے) اور علم طبیعیات اربعہ عناصر، خاک و باد وآب وآتش موالید ثلاثہ یعنی حیوانات، نباتات، جمادات ان چیزوں کا علم ہے۔

علم آلیات حکمائے فلسفہ کے نزدیک علم ذات وصفات باری تعالیٰ ہے جو انہوں نے اپنے ادراکات اور قیاسات ناقصہ سے نکالا، بے اس کے کہ علم نبوت و رسالت سے حاصل کیا ہو، دراصل ان کا شغل رکھنا انسان کو بدعقیدہ کر دیتا ہے؛ کیونکہ

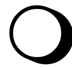
اکثر مباحث ان علوم میں بالکل خلاف شرع ہیں، لباس، پاکیزہ کو قصداً ناپاک کر کے پانی سے دھونا اور دل کو خباثت عقائد باطلہ سے آلودہ کرنا پھر اس کے طہارت کی کوشش کرنا، سراسر بے عقلی ہے۔

علاوہ اس کے مشائخ طریقت کا تجربہ ہے کہ جب فساد کی جڑ مضبوطی پکڑ جاتی ہے اس کا ادھیڑنا بڑا ہی دشوار امر ہے، اسی واسطے ان علوم کو حجاب اکبر کہتے ہیں، کیونکہ راہِ حق صراط مستقیم اور سالک کے درمیان سدراہ ہو جاتے ہیں۔

امیر المومنین جناب علی مرتضٰی فرماتے ہیں کسی شئ کی ماہیت دریافت کرنے سے عاجز رہنا یہ بھی عین دریافت وادراک ہے، آپ کا یہ قول مبارک سالکانِ طریقت کے واسطے چراغِ راہ ہے۔

پائے استدلالیان چوبین بود ☆ پائے چوبین سخت بے تمکین بود

جن کا دار و مدار حجت و استدلال عقلی پر ہے وہ لکڑی کا پاؤں رکھتے ہیں اور ایسے پاؤں کی کچھ قدر وعزت نہیں، مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنے وصایا میں فرماتے ہیں، طالب علم دین کو علم قرآن شریف کے متعلق صرف تفسیر جلالین، فتح الرحمٰن کافی ہے اور حدیث میں مشکوٰۃ شریف، صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ بہت ہیں، ماسوا ان کے علم فقہ، علم تصوف واخلاق کی کتابیں پڑھیں۔

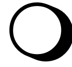


مُختَارٌ

برگزیدۂ بارگاہِ الٰہی، واسطے منصب رسالت جن وانس کے انتخاب کئے گئے۔

آپ کا انتخاب ہونا اس غرض سے ہے کہ جو کچھ علوم خداوند عالم نے آپ پر

ظاہر فرمائے، آپ طالبان راہِ ہدایت پر ظاہر فرمائیں اور اہل علم کو فائدہ پہنچانے میں دریغ نہ کریں، جانب دعوت خلق، تہ دل سے مشغول ہوں، باوجود فضل وکمال کے خداوند تعالیٰ کو فراموش نہ فرمائیں، نعمت خداداد کے دینے میں تنگ دلی روا نہ رکھیں، کیوں کہ ان امور کے خلاف کرنے میں شکر نعماء الٰہی ادا نہیں ہوسکتا اور جب اور جب شکر گذاری نہ کی تو انسان زیادہ نعمت کا مستحق نہ ہوگا اور ثواب آخرت سے محروم رہے گا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص بغرض افادہ وافاضۂ عالم کے بھیجے گئے تو کیوں نہ آپ آخرت کے ثواب سے فائدہ مند ہوں؛ کیونکہ آپ کا نام مبارک:

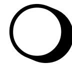


أَجِيْرٌ

ہے، محنت علم وعمل کا جر وبدلہ دیئے گئے۔

ع: ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد

ہر عمل کا اجر، ہر کام کا بدلہ ملتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا کلمہ بلند کرنے میں جو مشقت اٹھائی اور بارِ امانت کے اٹھانے میں جس قدر تکلیف برداشت کی، اس کا اجر عظیم آپ کو ضرور عطا ہوگا، بھلا یہ اجر کیسے نہ ملے، ہمت عالی آپ کی ہمیشہ بندگانِ الٰہی کے احوال کی اصلاح میں مصروف رہی۔



جَبَّارٌ

شکستہ حالوں کی درستی کرنے والے، یا جبر نقصان کرکے ان کی شکستگی رفع کرنے والے، یا بمعنی قہار، یعنی دشمنانِ دین پر غلبہ پانے والے، یا اپنے نفس پر (جو کہ قوی

دشمن بغلی گھونسا ہے) غالب۔

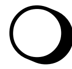
اسی نفس شریر کے حق میں ارشاد نبوی ہے:''تمہارا بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے'' اس خبیث کو شکستہ و عاجز کرنا ہر شخص کا کام نہیں، بلکہ مرد میدان و شیران راہِ خدا ہی کو نفس پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

عنانِ نفس کشیدن جہاد و مردانست
نفس شمردہ زدن کار اہل عرفانست

اس توسن نفس کی لگام کھینچے رہنا مردوں کا جہاد ہے اور سانس شمار کر کے لینا اہل عرفان کا دستور ہے تاکہ کوئی سانس خالی ذکر خدا سے نہ ہو اور جب تک انسان قانون شریعت کے مابق نکاح نہیں کرتا، نفس طالب اور شہوت غالب رہتی ہے اور جب سنت نبوی پر عمل کر کے نکاح کر لیا تو شامت رغبت زنا اور نظر حرام سے نجات ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: آنکھ کا زنا غیر عورت پر شہوت کی نظر ڈالنا ہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سید اولادِ آدم، مقتدائے زہاد تھے اور صاحب اولاد بھی تھے۔

چنانچہ حضور کی کنیت:

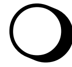


اَبُوالْقَاسِمُ، اَبُوالطَّاهِرُ، اَبُوالطَّيِّبُ اَبُواِبْرَاهِيْمَ

ہے، مزرع الحسنات میں ہے، حضور سرور عالم کے تین صاحبزادے ہوئے: ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے، قاسم اور عبد اللہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے، عبداللہ کے نامِ تعظیمی طیب و طاہر ہیں۔

کتب تفاسیر میں مرقوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں صاحبزادوں نے انتقال فرمایا، کفار نابکار نے طعن سے کہا کہ محمد کا کوئی لڑکا باقی نہیں رہا، اب ان کا نام انہیں کے دم تک قائم ہے ان کے بعد پھر ان کے نام لینے والا کون اور کس کی ذات سے آئندہ کو نام چل سکتا ہے، حق تعالیٰ نے کافروں کے اس خیال کو باطل کرنے کو سورۂ کوثر نازل فرمائی ''اِنَّـآ اَعۡطَیۡنَاکَ الۡکَوۡثَرَ'' اے محمد! ہم نے تم کو حوضِ کوثر قیامت میں عطا کیا ہے، تم خدا کی نماز ادا کرو، اور اس کے واسطے قربانی کرو، تمہارا دشمن ہی دم بریدہ (وبے نام ونشان) ہے، اس کا نام نیک نہ رہے گا اور تمہارا نام ہمیشہ باقی رہے گا۔

کوثر سے حوضِ کوثر مراد ہے یا اولاد واتباع، یا علماء امت یا قرآن شریف جس میں حضور کی تعریف ہے اور قیامت تک قائم رہے گا اور جو کچھ بزرگی و جاہ وشوکت قیامت میں آپ کو مرحمت ہوگی اس کا بیان ممکن نہیں۔



مُشَفَّعٌ، شَفِیۡعٌ

قیامت میں شفاعت قبول کیے گئے یا شفاعت کرنے والے، یا آج آپ کی شفاعت قبول ہوئی۔

کیونکہ حق تعالیٰ نے وعدہ کرلیا ہے اور اس کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا اور جو امر محقق ہونے والا ہو اس کو بالفعل ہوگیا جاننا دلیل یقین وایمان کی ہے، غیب پر ایمان لانے والے، یہ صفت خاص مومنوں کی ہے، پس بندہ صادق کسی طرح شبہ اپنے دل میں نہ لائے، آپ کی شفاعت من جملہ یقینی امور کے جانے، آیت شفاعت لام تاکید

اور سوف کے ساتھ جس کا ہونا قریب الوقوع مفہوم ہوتا ہے، نازل فرمائی: ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى'' اور البتہ قریب خدا آپ کو وہ چیز دے گا کہ راضی ہو جائیں گے، یہی شفاعت ہے، مگر یہ شفاعت اجازت خداوندی کے متعلق ہوگی، جس کے حق میں اذنِ الٰہی ہوگا آپ اسی کی شفاعت کریں گے؛ کیونکہ کافر بد بخت اپنے بتوں سے شفاعت کی توقع رکھتے ہیں اور کہتے ہیں، یہ بت اللہ کے نزدیک ہماری شفاعت کریں گے'' اور یہ بخوبی ظاہر ہے کہ شفاعت محمدی کفار کو نصیب نہ ہوگی، مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیشک گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں، آپ کی شفاعت سے یہ لوگ مواخذۂ اخروی سے باز رہیں گے یا کسی قدر عذابِ دوزخ اٹھا کر دوزخ سے نکالے جائیں گے اور جنت میں داخل ہو کر اس کی نعمتیں دائمی پائیں گے۔

یہ مضمون کتب عقائد میں ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''نیک بندے خدا کے لیے ہیں اور گنہگار میرے لیے یعنی گنہگاروں کی شفاعت میرا کام ہے، آپ کے علاوہ آپ کے صحابۂ کبار، علمائے امت نبوی قیامت کے دن خدا کی درگاہ میں اجازت عرض ومعروض پاک کر بندوں کے حل مشکلات میں کوشش کریں گے اور ان کی سفارش بھی مقبول ہوگی۔

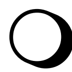
روایت ہے کہ ایک دن حضور رسول خدا رونق افروز تے، فرمایا: ابھی ایک شخص یہاں آئے گا کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت بھی میری شفاعت کے مانند ہوگی، صحابہ حاضرین دربار کمال حیرت سے آنے والے کے منتظر ہوئے، ناگاہ حضرت صدیق اکبر تشریف فرما ہوئے، سب کو معلوم ہوا کہ یہ وہی شخص ہیں جن کے حق میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے۔

تفسیر عزیزی میں ہے ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ محفل نبوی میں

موجود تھے کہ اتنے میں جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا اے رسول اللہ! حق تعالیٰ ابوبکر کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم نے اپنا سارا مال راہِ خدا میں صرف کردیا خود مفلس و غریب اور نادار ہوگئے کیا تم اس حال پر خوش ہو یا دل کو مال جانے کا ملال ہے، حضرت ابوبکر نے جب یہ پیغامِ الٰہی سنا بے اختیار رو پڑے اور کہا ''میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں، میں اپنے پروردگار سے راضی ہوں''۔

حق تعالیٰ نے سورہ واللیل نازل فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا ''وَلَسَوْفَ یَرْضٰی'' یعنی وہ مردِ متقی (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) قریب ہے کہ راضی ہوگا، اس آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے وعدہ شفاعت فرمایا ہے اور آپ کو بھی وہ مرتبہ و قدر عطا ہوئی جو کہ جناب شفیع المذنبین کو ہے، اوپر کی حدیث اس بیان کی دلیل روشن ہے۔

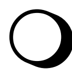
اور جب انسان نفس الامرین نیک خو، صاحب اخلاق ہو، پھر کیوں نہ اس کو درگاہِ الٰہی میں عزت بات کرنے کی ہو؛ کیونکہ خداوند عالم نیکوں کو دوست رکھتا ہے ہر طرح ان کی خاطر داری و پاسداری کرتا ہے۔



صَالِحٌ

نیک کردار، پسندیدہ اطوار۔

ظاہر حال نبوی زیورِ صلاح سے آراستہ اور باطن مکارم اخلاق سے مہذب تھا، حسن اخلاق آپ کا ملاحظہ سیر شریف سے جو کہ لفظ سید میں مذکور ہوئے، معلوم ہوتا ہے اور جو خود نیک ہے، دوسروں کو بھی نیک کرتا ہے، لہٰذا آپ:



مُصلِحٌ

بھی ہیں، نیک بنا دینے والے، اصلاح کرنے والے، بندگانِ الٰہی اور بنی آدم کے۔

کیونکہ مرد صالح کی عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کو بھی صلاح وتقویٰ کی تاکید کرتے ہیں، اور بمضمون نیک راہ دکھانے والے کو نیک عمل کرنے والے کا ثواب ہے، مرد صالح کو بھی ان کی نیکیوں میں سے حصہ ملتا ہے، یا بایں معنی آپ مصلح ہیں کہ دو مسلمان جو مغلوب غصہ ہو کر آپس میں لڑتے ہوں یا دنیوی مال ومتاع میں ایک دوسرے کو اس کے حق سے محروم کرنا چاہتا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں میں صلح کرا دیتے، اور چونکہ صلح بہتر ہے، اس واسطے اس باب میں جو شخص سعی کرتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کو نیکیوں میں بہتر کر دیتا ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلام نثر ونظم میں اصلاح دیتے تھے۔

چنانچہ میر غلام علی آزاد ''خزانۂ عامرہ'' میں جو ایک کتاب ''تذکرۃ الشعراء'' ہے لکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابتؓ کے شعروں میں جو کہ شاعر، مداح رسول تھے اور کافروں کی ہجو کیا کرتے تھے، اصلاح فرمایا کرتے تھے، اگر شاعر سچا کلام کہے اور کوئی امر خلاف شرع اپنے اشعار میں ذکر کرے تو اس کی رضا مندی سے اس کے اشعار میں اصلاحِ دنیا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

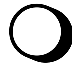
نیستم آزردہ از حرف سخن فہمان علی
ناخن دخل بجا از سینہ خارم می کشد

میں سخن شناس کی نکتہ گیری پر آزردہ نہیں ہوتا؛ کیونکہ دخل وتصرف بجاہ حق سے میرے سینے کا کانٹا نکل جاتا ہے، یا مسلمانوں کے احوال کی اصلاح کرنے والے ان کے جسم ولباس میں کوئی عیب دیکھتے تو دفع کرتے، جیسے کسی کی داڑھی کی گرد صاف کرنا

یا الٹا کپڑا کوئی پہنے یا الٹی ٹوپی کسی کے سر پر ہو اس کو سیدھی کر دے یا عمامہ کا پیچ بے موقع ہو درست کر دے، حدیث شریف میں ہے: مرد مومن دوسرے مومن کے حق میں آئینہ ہے، یعنی جس طرح آئینے میں منھ دیکھنے سے چہرہ پر گرد وغبار نظر آتا ہے، اسی طرح ہر مسلمان کو مناسب ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کے عیوب و نقائص سے اس کو مطلع کرے اور اگر خود دفع کر سکتا ہو تو اپنے ہاتھ سے دفع کر دے۔

اس حدیث شریف کا مضمون اصلاحِ ظاہری و باطنی کی جانب اشارہ کرتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات خالی اصلاح دینی و دنیوی سے نہ تھی، آیت کریمہ: "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" اے محمد! اپنے خدا کے راستے پر لوگوں کو حکمت اور نیک وعظ کے ساتھ بلاؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بہا تھا۔

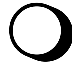
چنانچہ حکمت و وعظ میں حضور نے وہ کوشش فرمائی کہ محبوب و مرغوب عالم ہو گئے، کسی جلسۂ وعظ میں برملا علانیہ کبھی کسی کی آبروریزی نہ فرماتے، اگر مقصود بالذات مثلاً فہمائش عمرو ہوتی تو زید کی جانب خطاب اور کمال خوبی سے طریق امر و نہی بجا لاتے اگر کوئی زرد یا سرخ لباس پہنتا تو حضور کسی صحابی کی زبانی سب سے خفیہ اس کو منع فرماتے، منقش پردہ دروازہ کا آپ کو مکروہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اصلاحِ امت کرنا کچھ تعجب نہیں ہے؛ کیونکہ آپ رحیم و کریم ہیں اور منجملہ صفات نبوی:



مُهَيْمِنٌ

ہے، احوالِ امت کو خلل و نقصان سے نگاہ رکھنے والے، عاجزوں، بے کسوں پر مہربان اور یہ صفت من جملہ صفاتِ الٰہیہ ہے، اس صفت عظمیٰ کے ساتھ حضور کا

متصف ہونا بھی کوئی امر تعجب خیز نہیں کیونکہ آپ:



صَادِقٌ، مُصَدِّقٌ، صِدُقٌ

ہیں، یہ تینوں صفات کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی گفتار کے شاہد ہیں، صادق بمعنی سچ کہنے والے، مصدق: بندگان خدا نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی، خدا نے آپ کے صدق و رسالت پر گواہی دی؛ کیونکہ اس مقدمۂ رسالت میں احکامِ الٰہی کے مطابق قانون سرکار خداوندی کے صادر ہونا، مقتضی اس کا ہے کہ وہ احکام دستخط اور مہر سے مزین ہوں؛ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق و گواہی خود خداوند تعالیٰ نے فرمائی، اور جس طرح بندگانِ خدا اپنے دعووں کی صحبت ثابت کرنے میں حلف اٹھاتے اور خدا کی قسم کھاتے ہیں حق تعالیٰ نے بھی چند مقام میں قسم کھائی اور ان چیزوں کو اپنی قسم سے یاد کیا جو اس کے نزدیک پسند و مرغوب تھیں مگر انسان کو ان چیزوں کی قسم کھانا درست نہیں۔

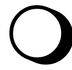
منجملہ ان آیات کے یہ ہیں: ''نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ'' قلم کی قسم اور اس چیز کی کہ ملائکہ لکھتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم خدا کی نعمت کے ساتھ مجنون نہیں، اس آیت میں کفار کی تردید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق رسالت ہے، نعمت سے مراد نعمت رسالت ہے اور ''یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ'' قسم قرآن حکمت والے کی تم بے شک مرسلین میں ہو، اس میں تو صاف صاف آپ کی رسالت کا اظہار ہے ''وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی'' قسم وقت چاشت کی اور رات کی تاریکی کی، اس میں کنایہ بلیغ ہے کہ روزِ روشن حضورِ نبوی کا چہرہ ہے اور دلیل سے مراد زلف مشکیں

ہے، جیسا کہ عاشقانِ حلیہ رسالت کا خیال ہے۔

روے درخشاں تو شد آئینہ نورِ ازل

زآں رسد سلسلۂ زلف شما تا باید

آپ کا چہرہ نورانی نورِ ازل کا آئینہ ہے، اسی واسطے زلف مبارک کا سلسلہ ابد تک پہنچتا ہے، آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدق اس واسطے کہا کہ آپ کمال راست گوئی، راست روی سے مجسم راستی ہو گئے، جیسا کہ صفت ''قدم صدق'' میں اس کے متعلق گذرا، اور یہ حضور کی راستی اس امر پر دلیل ہے کہ شاہانِ روئے زمین جھوٹی بات منہ سے نہیں نکالتے اور جب کہ آپ کو سب بادشاہوں کی شاہی اور جملہ سرداروں کی سرداری عطا ہوی ہے تو کس طرح آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلاف صدق عمل میں آئے۔



سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ، اِمَامُ الْمُتَّقِیْنَ

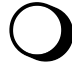
سردار پیغمبروں کے، پیشوا پرہیزگاروں کے۔

اور سیادت کے معنی حقیقی یہ ہیں کہ سید تاج بزرگی و سرداری کا اپنے سر سے اتار کر آستانہ رب العزت پر اپنا سر دھرے، اور بہ نسبت تمام بندگانِ خدا کی صفت خدا پرستی و حق شناسی کی اس میں زیادہ ہو:

سرفرازی بیشتر ☆ چوں خاکساری بیشتر

جس درجہ خاکساری و تواضع کرے گا اتنی ہی سرفرازی حاصل ہو گی، علمائے دین نے تقویٰ کو بیماروں کے پرہیز سے تشبیہ دی ہے، کہتے ہیں بے رعایت پرہیز کے

اگر بیماری کیسی ہی دوا کرے، معجون شفا کھاتا رہے مگر اس کا مرض دفع نہ ہوگا، اسی طرح بے صفت تقویٰ کے ہزار ریاضت وعبادت کرے مگر امراض نفسانی (اخلاق بد جن کا ذکر کتب اخلاق، اخلاق جلالی وغیرہ میں ہے) کا دفع ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے اور اس سیادت وتقویٰ کا ثمرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ملا کہ آپ:



قَائِدُ الغُرِّ المُحَجَّلِين

ہیں، یعنی صالحین امت مرحومہ کو بہشت کے اندر کھینچ لے جائیں گے۔

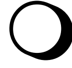
"غُــر" جمع "أغــر" کی ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جن کی پیشانی سفید ہو، "مـحـجلین" جمع ہے "مـحجل" کی وہ گھوڑے سرخ یا سیاہ جن کے چاروں پاؤں سفید ہوں، ایسے گھوڑے کو پچکلیاں کہتے ہیں، امت مرحومہ کا یہ لقب اس واسطے ہے کہ قیامت کے دن، دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور چہرہ ہر نمازی کا برکتِ وضو سے نورانی ہوگا؛ لہٰذا نمازی مشابہ پچکلیاں گھوڑے کے ہوں گے۔

حدیث شریف ہے، جب تم اپنا منہ دھویا کرو تو پیشانی کے اوپر تک اور دنوں ہاتھ مع کہنیوں کے اور دونوں پاؤں پنڈلیاں ملا کر دھولیا کرو تا کہ کل قیامت کے دن تمہارے اعضائے وضو نورانی ہوں اور تم اور امتوں میں ایسے ممتاز ہو جیسا کہ یک رنگ گھوڑوں میں پچکلیاں۔

اس حدیث سے یہ فائدہ نکلا کہ ہر مسلمان وضو کرتے وقت اعضاء دھونے میں کوتاہی نہ کرے، بلکہ فرض وسنت آداب پوری طرح ادا کرتا رہے۔

جو شخص خدا کا مقبول بندہ اور اس کا دوست ہے اس کو چاہیے کہ اللہ کے بندوں پر

رحمت کرے، تا کہ اس کے عوض قیامت کے دن اور لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ خدا کی دوستی سے بڑا نفع ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوصف دیگر کمالات ذاتی وصفاتی کے:



خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ

بھی ہیں، دوست خدا، محبوب الٰہی۔

آپ کی دوستی وخلت، کم خلت ابراہیمی سے نہ تھی، جاننا چاہیے کہ خلت کا درجہ محبت سے عالی ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلت الٰہی اختیار فرمائی اور اپنے یارغار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسند خلت پر جگہ نہ دی، کیونکہ مولیٰ سے محبت زیادہ رکھنا چاہیے اور بندہ کی محبت اس درجہ سے کم ہو، اور آپ کی کمال خلت الٰہی پر یہ دلیل ہے کہ مومنوں کے دل جو پائے تخت ونظر گاہِ الٰہی ہیں، آپ کبھی نہ رنجیدہ فرماتے، خدا کے دوستوں سے دوستی اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے، دوست کے دوست سے اگر چہ وہ بالکل بے گانہ ونا آشنا ہو، آشنائی ودوستی رکھنا اور دوست کے دشمن سے اگر چہ وہ کیسا ہی یگانہ وآشنا ہو بے گانگی وغیریت اختیار کرنا قانونِ محبت میں واجب ولازم اسی کا نام ہے "الحب فی الله و البغض فی الله" ہے، یعنی اگر کسی سے محبت ہوتو خدا واسطے، اگر دشمنی وبغض ہوتو بھی خدا کے لیے۔

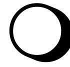
سخن لطیف، نکتہ شریف

جان اے مرد عاقل! حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خلیل اللہ لقب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل الرحمٰن کہتے ہیں اس میں یہ نکتہ ہے کہ رحمۃ للعالمین کو

رحمت سے خلت رکھنا لازم ہے، کل قیامت میں رحمت الٰہی سے آپ کو کام ہے:

ع: دو دل یک شود بشکند کوہ را

دو دل مل کر پہاڑ کھود پھینکتے ہیں، اب غور کا مقام ہے کہ بمقابلۂ رحمت الٰہی اور سعی وکوشش خلیل الرحمٰن کے گنہگاروں کے گناہ کا پہاڑ ایک تنکے کے برابر ہے، تم نے جنگل میں مشاہدہ کیا ہوگا کہ پانی کی رو سے بڑے بڑے پتھر اپنے مقام سے جنبش کر جاتے ہیں، کل قیامت کو دریائے الٰہی کے زور اور چشمۂ فیض رسالت پناہی کی قوت کو ملاحظہ کرنا کہ دم کے دم میں گناہوں کا پہاڑ اور امت مرحومہ کے جرم وخطاؤں کا انبار کہاں تھا اور کیا ہوگیا اور نشان خلت رحمان یہ ہے کہ خلق کے ساتھ نیکی اور بندگانِ خدا پر احسان کرنا اور یہ عادت مبارکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔



بِرٌّ مَبَرٌّ

دونوں لفظ بمعنی نیک ونیکی۔

پہلا اسم صفت ہے، دوسرا مصدر، مبالغۃً ذات اقدس پر اطلاق کیے گئے، مبرات بمعنی خیرات، ابرابر، بر کی جمع۔

جاننا چاہیے کہ ابرار کی علامت پانچ چیزیں ہیں: ایک طاعت مولیٰ پر صبر کرنا، دوسری روزِ جزا کا خوف، تیسری فقراء پر بخشش کرنا، ان کو خیرات دینا، چوتھے قیدیوں کے حال پر رحم کرنا، پانچویں یتیموں پر شفقت کرنا۔

چونکہ امیر المومنین علی مرتضٰی من جملہ اہل بیت نبوی ان صفات کاملہ (یعنی علاماتِ ابرار میں ممتاز ہیں، سورہ انسان کی آیات اولین آپ کی شان میں نازل ہوئیں،

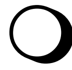
وہ آیات یہ ہیں: "إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا" نیک لوگ اس ثواب کا پیالہ پئیں گے جس کی آمیزش چشمۂ کافور کا پانی ہے۔

ان آیات کا سبب نزول تفسیر عزیزی میں اس طرح مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرات حسنین دونوں صاحبزادے بیمار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کبار صاحبزادوں کی عیادت کو جناب امیر المومنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے، ایک صحابی نے حضرت علی سے کہا: آپ کے صاحبزادے سخت علیل ہیں، آپ تین روزے نذر مانیے، خداوند تعالیٰ ان کو شفا عطا فرمائے گا، چنانچہ جناب علی، بی بی فاطمہ زہرا، حضرات حسنین، فضہ ان سب نے روزے مانے، شافی مطلق کے حکم سے دونوں صاحبزادوں کا مرض دور ہوا اور صحیح وتندرست ہو گئے، پھر سب نے مانے ہوئے روزے رکھے، پہلے دن افطار کے وقت کوئی سائل دروازے پر آیا اور کہا: "بابا بھلا ہو، میں مسکین ہوں، پانچ بندے میرے گھر میں بھوکے ہیں، اے اہل بیت اگر ان بھوکوں کا پیٹ بھروگے خداوند تعالیٰ اس کے عوض تم کو جنت کی نعمتیں دیگا"۔

حضرت امیر نے اپنے حصہ کی روٹی سائل کے حوالہ کی اور بہ تبعیت آپ کے سب گھر والوں نے سخاوت کی اور اپنا اپنا کھانا اس فقیر کو دیدیا اور سب بھوکے سو رہے، دوسرے دن پھر شام کے وقت کوی سائل یتیم صورت آیا اور سوال کیا اور ان سب صاحبوں نے اس دن بھی کھانا دیدیا اور خود فاقہ سے رات کاٹی، تیسرے دن ایک قیدی آیا اور یہی معاملہ پیش آیا کہ اہل بیت نے کھانا خیرات کردیا اور اپنی جانوں کا کچھ خیال نہ کیا، حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر متواتر فاقوں سے کمال ضعف طاری ہوا، اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، صاحبزادی کا یہ حال دیکھ

کر شفقت پدری جوش میں آئی، رونے لگے، حق تعالیٰ نے آیاتِ مرقومہ بالا نازل فرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیاتِ طیبات پڑھ کر سنائیں اور ارشاد فرمایا: اے میری پیاری فرزند تم کو بشارت ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری سخاوت کی برکت سے دولت ابدی تم سب کو بخشی۔

کہتے ہیں کہ امیر نے ملک دنیا کو ذوالفقار سے حاصل کیا، یعنی شمشیر زنی کر کے لیا اور ملک عقبیٰ ایک روٹی پر کمایا اور حق تعالیٰ نے ان آیات میں اہل بیت کے واسطے یہ نعمتیں وعدہ فرمائیں، شر محشر سے امان، دیدارِ الٰہی کی خوشی، بہشتی نعمتیں پانا، استبرق وہاں پہننا، اونچے اونچے تختوں پر جنت میں متمکن ہونا، چاندی کے کوزے، آبخورے اور شراب طہور، خدام وغلمان صاحب جمال کا خدمت گاری کرنا، جب کہ ابرار بصفت احسان موصوف ہیں، وجاہت وحسن ظاہری وباطنی کے ساتھ بھی مشرف وممتاز ہیں۔



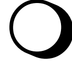
وَجِیہٌ

خوب رو، صاحب جاہ ومنصب ومرتبہ۔

نبوت اور رسالت کے ساتھ اور یہ درجہ مجموعہ کل مراتب دین ودنیا سے اعلیٰ ہے، کسی طرح اس مرتبہ کی بزرگی میں شک وشبہ نہیں، اگر کسی کو یہ وجاہت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بخوبی معلوم ہو جائے تو آپ کی بارگاہ عظمت میں اسی تعظیم وتکریم سے پیش آئے جو کہ آپ کے شایان ہے (نہ کہ تعلیات ومبالغات شاعرانہ بعید از عقل وشرع آپ کی تعریف میں ذکر کرے)

برزمینے کہ خرام کفِ پائے تو بود ☆ تا ابد سجدۂ صاحب نظران خواہد بود

جس زمین پر آپ کا قدم مبارک ایک مرتبہ پڑ جائے وہ زمین ہمیشہ اولیاء اللہ کی سجدہ گاہ ہو جائے اور یہ خوبی و محبوبی اسی کو زیبا ہے کہ خیر خواہی عباد اللہ بھی کرتا ہو۔



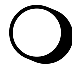
نَصِیحٌ، نَاصِحٌ

خیر خواہ، و ہوادار دنیا و آخرت میں۔

حدیث شریف میں ہے، دین خیر خواہی ہے، صحابہ نے عرض کیا، کس کی خیر خواہی ہم پر لازم ہے، فرمایا: ''خیر خواہی خدا کی، اس کتاب کی، اس کے پیغمبر کی اور خیر خواہی سب مسلمانوں کی، امرا و سردارانِ اسلام کی''۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ خدا پر ایمان لائے، اس کے احکام کی اطاعت کرے، اس کے رسول کی اطاعت بجالائے، برادرانِ اسلام کے حقوق ادا کرے، شاہانِ اسلام و حاکمان شرع کی تائید و اطاعت میں دل و جان سے سرگرم رہے، اگر اس حدیث کی شرح و تفصیل لکھی جائے تو چار مجلد دفتروں ہوں۔

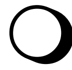
یہ حدیث بھی جنس جوامع الکلم سے ہے، مرد خیر خواہ اسی لائق ہے کہ تمام مخلوقات کے مہمات فیصل کرنا اسی کے قبضے میں کر دیا جائے اور وہ اپنی رائے سے جملہ امور انجام دے؛ لہٰذا آپ:



وَكِيلٌ

کارساز، کارگذار جن و انس کے ہیں اور دونوں جہان میں یہ منصب آپ کو عطا ہوا تا کہ اس جہان میں خلق خدا کی خدمت کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں اور اس جہاں

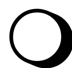
میں ان کی مشکل حل کرنے کو کمر باندھ کر امتی امتی کی صدا سے ایسے تنگ وقت میں کہ دوسرے انبیائے کرام نفسی نفسی پکارتے ہوں گے، دریائے رحمت الٰہی کو جوش میں لائیں اور آتش غضب الٰہی آبِ رحمت سے سرد کر کے بابِ شفاعت کھول دیں، بیشک وکالت اس نفیس مقدمۂ شفاعت میں اسی شخص کا کام ہے اور بخوبی کرسکتا ہے کہ وہ بہمہ جہت اپنے نفس کو خدا کے سپرد کر چکا اور وصف:



مُتَوَکِّلٌ

رکھتا ہو، یعنی خدائے وحدہ کی ذات اور اس کی عنایت پر دنیا و دین کے کاموں میں تکیہ کیے ہوئے اور دل سے اس طرح اس پر بھروسہ کہ کسی حال میں کسی موقع پر تردد واضطرابِ خاطر اقدس میں نہیں گذرتا۔

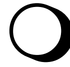
بزرگانِ دین کا قول ہے: توکل اس کا نام ہے کہ تدبیر چھوڑ کر دامن تقدیر کو مضبوط پکڑ لینا اور اس امر کو یقینی جاننا کہ ضرر ونقصان، سود وزیاں خدا ہی کے دست قدرت میں ہے اور بمضمون آیت کریمہ "**یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ، وَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ**" اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے ویسا ہی حکم کرتا ہے اور جس کام کا قصد کرتا ہے اس کو کر ہی چھوڑتا ہے" اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو نوازی وآبرو بخشے کسی دوسرے کی کیا تاب وطاقت کہ اس کو مرتبۂ عزت سے گرادے اور ذلیل کرے جبکہ توکل منزل مراد تک پہنچنے کا اعلیٰ ذریعہ ہے، اگر مرد متوکل عاجزان بے بضاعت وگنہگار، بے استطاعت کی نجات کا ذریعہ بنایا جائے تو شایان وزیبا اور بجا وراست ہے۔



کَفِیۡلٌ

بمعنی ضامن۔

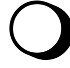
کفالت سے مشتق ہے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزِ محشر میں گنہگاروں کو شکنجۂ عذاب سے چھڑائیں گے، اس گرامی لقب سے ملقب ہوئے اور ظاہر ہے کہ درجۂ کفالت وکالت سے مالی ہے، بندوں کے کام کا ضامن وہی شخص ہوسکتا ہے جو گاڑھے وقت پر نہایت محنت وکوشش سے ان کا کام کر دکھائے اور یہ اسی سے ہوگا جو بندگانِ خدا پر مہربان ہو۔



شَفِیۡقٌ

امت مرحومہ کے حال پر مہربان۔

امت کو آفاتِ دنیا اور عذابِ آخرت سے ڈرانے والے اور روکنے والے؛ کیونکہ مقتضائے سرداری اور لطف مالکیت یہی ہے کہ اپنے مملوک وغلام کو انواع لطف ومہربانی سے سرفراز کرے، اور مملوک کو اس کے اختیار پر نہ چھوڑے تا کہ وہ بے راہ نہ ہو جائے بلکہ وہ بکمال دلسوزی اس کو نیک وبد ہر کام سے مطلع کرے؛ کیونکہ فعل حسن وہی ہے جس کو شرع نے اچھا کہا اور برا وہ ہے جس کو شرع نے برا کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت یہ ہے کہ بمضمون آیت کریمہ ''آپ پر اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں فرماتے، آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے'' مطابق فرمان الٰہی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راہ سہل آسان بے خلل بنا کر دی کہ ہر شخص بے کھٹکے اس راہ پر چلا جائے اور کبھی گمراہ نہ ہو، وہ شاہراہ یہی راہ وطریق سنت ہے لہٰذا آپ کو:



مُقِیمُ السُّنَّۃِ

کہیں تو بجا ہے، یعنی برپا کرنے طریقہ نیک وراہ روشن کے۔

ایسی نفیس وآسان راہ کو سبب خوبی دنیا وسعادت وآخرت ہے، مومن پاک باطن بے تردد اس راہ میں قدم رکھیں اور خطراتِ شیطانی سے جو اس راہ کے مانع ومزاحم ہیں اپنے کو دور رکھیں اور اگر کوئی شیاطین الانس تمہارے دل میں یہ وسوسہ ڈالے اور کہے کہ جب ہم سنت رسول کریم پر عمل کریں اور قدیمی رسمیں جو زمانہ دراز سے رواج پذیر ہیں ان کو ترک کردیں تو ہمارے بھائی اہل زمانہ ہم پر طعن کریں گے اور ہماری اولاد اور آئندہ نسلوں کی عزت خاک میں مل جائے گی، ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اے مردکم عقل، تمہارا یہ سوال یا تو بالکل بے بصیرتی کا ہے، تم نے خوبی دین اسلام پر نظر نہیں کی، اور نہ خوبی سنت کہ وحی متلو ہے تم کو معلوم ہوئی، ورنہ کبھی ایسی مہمل بات منھ سے نہ نکالتے، خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں جابجا ارشاد فرماتا ہے کہ سنت وطریقہ رسول اللہ سب راہوں سے بہتر ہے اور جو اسی راہ کو چھوڑے گا، گمراہ ہوگا اور یا دیدہ ودانستہ براہِ حسد تم یہ کہہ کہتے ہو اس واسطے کہ تم اس دولت سے محروم ہو۔

سچ ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے محض حسد کی راہ سے اپنے پیارے بھائی کو کنویں میں ڈھکیل دیا اور بات بنا کر باپ کے سامنے روتے ہوئے گئے، کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا ہمارے ساتھ معاملہ کرو، راہِ راست سے بہکا کر غارِ ضلالت میں گرادو پھر اس سے ہاویہ جہنم میں پہنچاؤ (ہم تو ڈوبے ہیں مگر یار کو لے ڈوبیں گے، ہمارے اوپر یہی مثل سچ

کر کھاؤ) افسوس! تم کو خبر نہیں کہ راہِ اسلام سے روکنے والے کو عذابِ آخرت ہے۔

نیز تارک سنت کو جو کہ براہِ عناد و انکار سنت ترک کرے، ہمیشہ آگ میں رہنا ہوگا، خود آیت کریمہ اس پر شاہد ہے "وَمَنْ یَعْصِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلَہٗ" تا آخر جس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اس کے واسطے دوزخ کی آگ ہے، ہمیشہ آگ میں جلتا رہے گا اور اگر کوئی یہ کہے کہ صاحبو! ہم تو سنت رسول پر جان و دل قربان کرتے ہیں لیکن کیا کریں، مجبور ہیں، بے بس ہیں، زمانہ اس کا مقتضی نہیں کہ سنت پر چلیں اور ہم اکیلے کیسے سنت اختیار کر سکتے ہیں، ہماری عورتیں تو کسی طرح راضی نہیں ہوتیں، ان کو کسی کا ڈر نہیں، نہ قاضی کا خوف نہ محتسب کا اندیشہ، مردوں کی باتیں تو بالکل سنتی ہی نہیں، سارے زمانے کا یہی رنگ ہے کہ

ع: زنِ شوہر، شوہر ست و شوہر زنِ زن

بی بی میاں بن بیٹھیں اور میا غریب بی بی ہو گئے، اس صورت میں اگر ہم گھر کے مالک بی بی کے خلاف کرتے ہیں تو بڑی مصیبتوں کا سامنا ہے، گھر میں جانا، ہم خانہ سے آرام پانا، ایک گھر میں رہنا، بسنا، پانی دانہ پانا، ممکن نہ ہوگا اور جملہ کاروبار، معاشرت و گذران میں خلل عظیم واقع ہوگا، اس باہمی مخالفت کا خراب نتیجہ یہ نظر آتا ہے کہ ہماری بی بی ہماری آرام جان ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گی؛ کیونکہ اس کا قول ہے "خصم چھوڑوں رسم نہ چھوڑوں" اس کا جواب یہ ہے کہ "نازم بایں ریش وفش" چہرہ پر مردوں کی داڑھی تو ہے مگر عورتوں سے اس قدر خوف کہ اللہ کی پناہ سر پر پگڑی باندھنا اور دستار بند مردوں کے زمے میں بیٹھنا، اس پر باتیں یہ اے توبہ کس قدر بے معنی گفتگو ہے، ایسی بھدی عقل و سمجھ پر حیرت و افسوس ہے۔

دین شد ازاں ضعیف کہ فرمان دہان شرع ☆ عمامہائے خویش بہ پردار بستہ اند

دین کیوں نہ سست ہو، زمانہ تو یہ آ گیا ہے کہ حاکمانِ شرع نے اپنے عمامے سروں سے اتار کر الگ رکھ دیئے، اے مرد و زن مرید تم نے حدیث نبوی نہیں سنی، عورتوں کی برائی کم عقلی تمہارے کانوں تک نہیں پہنچی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''عورتیں کمال عقل وکمال دین سے محروم ہیں'' اور حکم خدا سے مرد ہر حال میں عورتوں پر حاکم ہیں، مرد عورتوں پر حاکم ان کے کارساز ہیں، یہ خدا کا فرمانا ہے۔

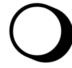
امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے برخلاف کیا کرو؛ کیونکہ ان کی رائے کے برخلاف کرنے میں دنیا و دین کے کاموں میں برکت ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ عورتیں جو اپنی عقل سے رائے دیں گی وہ ناقص ہوگی، اور اس پر عمل کرنا موجب نقصان دنیا و دین ہے، جس کی عقل کامل اور دل کمال ایمان سے نورانی نہ ہو، اکثر اوقات نماز، روزہ، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل رہے، ایسے کو مشیر با تدبیر، خضر راہ تصور کرتے ہو، واہ رے سمجھ تمہاری کیا؟ تم نے نہیں سنا کہ عورتوں کی شان میں یہ شعر کہا گیا ہے:

اگر نیک بودے سرانجام زن ☆ زنان رامزن نام بودے نہ زن

اگر عورتوں کا انجام کار خوبی کے ساتھ ہوتا تو ان کا نام مزن رکھا جاتا نہ کہ زن، یعنی ان کا نام ہی برا ہے۔

فارسی میں زن کے معنی ''مار'' کے ہیں، صیغہ امر زدن کا زن آتا ہے، اگر تم اول ہی روز عورتوں کو مسائل دین کے سکھا دیتے اور احکام خدا و رسول سے خبر دار کرتے تو ان کی صحبت کی آفتوں سے فی الجملہ نجات متصور تھی، اب جب کہ موقع نکل گیا، پشیمانی سے کیا فائدہ، اب تو یہی مناسب ہے کہ حکمت عملی سے ان کو بہ نرمی و دلجوئی، وعظ و نصیحت کر کے سمجھاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ سیر و عادات کی سیر کراؤ، شاید کہ راہ ہدایت اختیار کریں۔



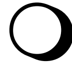
مُقَدَّسٌ، رُوحُ الْقُدُسِ،
رُوحُ الْحَقِّ، رُوحُ الْقِسْطِ

ہر عیب ونقصان سے پاک، تقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حد تک بڑھا تھا کہ خود جان تقدس ہو گئے اور جسم شریف کو سیر عالم ملکوت حاصل ہوئی، نیز زندگی اسلام کی اس کی راستی، اس کی صداقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات پاک سے ہے، اور رعایت قانون عدالت میں آپ ایسے کامل ہوئے کہ خود روح روانِ عدالت ہو گئے اور ممکن ہے کہ روح القدس، روح الحق بمعنی روح اللہ کے ہوں جو لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے، اس صورت میں اضافت روح کی حق کی طرف واسطے اظہار شرافت نبوی کے ہے جس طرح ''نفخت فيه من روحی'' میں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں وارد ہے، یہی تقریر ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ جملہ عالم بمنزلہ بن کے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۂ جان کے، اور روح القسط میں یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی ذات مبارک سے عدل کو قیام ہے۔

عدل سے قائم آسمان و زمین ☆ عدل ہے باعث اقامت دین
گر نہ خیمہ کا ہو ستون قائم ☆ بے ستون ہو نہ خیمہ پھر قائم

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدس مومنوں کے دل میں قریب بہ تقدس جناب باری ہے؛ لہٰذا دونوں جہان کی مراد حاصل ہونے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ کافی ہے۔



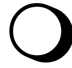
كَافٍ، مُكْتَفٍ

امت مرحومہ کے حق میں حصول حاجاتِ دو جہاں کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کافی اور بس ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزی مقدر پر کفایت کرنے والے ہیں۔

اب اگر ہم آپ ہی کے ہو جائیں ہم کو دوسرے وسیلے کی حاجت نہ رہے گی، کیونکہ آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں کہ فردائے قیامت میں گنہگاروں کو عذاب آخرت سے چھڑائے، اور اس پر دلیل یہی ہے کہ جو کتاب آسمان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع وجوہ اس کتاب کے تابع و پیرو ہیں اور اس کی ابتدا ''ب'' سے اور خاتمہ ''س'' پر ہے، ان دونوں حرف کو جمع کریں تو لفظ ''بس'' ہوتا ہے۔

اول وآخر قرآن ب س ہے ☆ یعنی رہبر دین کا قرآن ہے بس

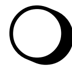
اور جبکہ قرآن مجید واسطے تحصیل سعادت ابدی کے نظر عارف میں بس ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس کتاب کے پہنچانے والے ہیں، ہمارے واسطے کافی ہیں، اس کی دلیل یہی دلیل مذکور کافی ہے، اس واسطے حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہے کہ ''ہم کو دین و دنیا میں خدا اور اس کے رسول کافی ہیں، اگر چہ دنیا کے مال ومتاع سے ہم خالی ہاتھ ہوں، اس کا کچھ غم نہیں'' اور جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم معرفت الٰہی میں کامل دیکھتا ہوں تو ضرور ہے کہ سب چھوٹے بڑے آپ کے سیلے سے اپنی اپنی مراد پائیں گے۔



بَالِغٌ، مُبَلِّغٌ

کمال کو پہنچنے والے، یادِ الٰہی واحکامِ خدائی جن وانس کو پہنچانے والے۔

تاکہ سب مخلوق خدا پر ایمان لائے، آپ کی رسالت کی تصدیق کرے؛ کیونکہ در حقیقت مومن ومسلمان کے یہی معنی ہیں اور جو شخص برائے نام مسلمان ہو اور مسلمانوں و دینداروں کا کام نہ کرے وہ کس کام کا ہے، روایت ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت اپنی امت کے خیال سے پریشان و بےقرار ہوئے، نہایت غم سے رونے لگے اور اصحاب کبار کو طلب کر کے بہت کچھ وصیت فرمائی، بعدہ ارشاد ہوا: ''تم لوگ میری امت کے بہترین اشخاص ہو، میرے بعد کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کو نہ چھوڑنا، پھر فرمایا: ''اللھم بلغت'' خدایا میں نے اپنی زندگی میں تیرے احکام تیرے بندوں کو پہنچادیئے اور آخری وقت تک جو کچھ کہنا سننا تھا کہہ دیا اور جو میرا کام تھا وہ میں نے کیا، اب ان کی ہدایت ان امراضِ نفسانی سے شفا بخشنا یہ تیری عنایت پر موقوف ہے۔



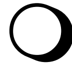
شَافٍ

امراض ظاہری و باطنی سے شفا دینے والے۔

دوائے ہدایت پلا کر موادِ فاسد سے دل کا تنقیہ و تصفیہ کرنے والے اور وہ دوائے شافی یہی قرآن مجید ہے جس کی صفت ''فِیْہِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ'' ہے یعنی اس میں سب لوگوں کی شفا ہے۔

کتب سیر میں مرقوم ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ کے وضو

کے بچے ہوئے پانی سے بیمار شفا پاتے تھے اور یہ شفا بخشی اس حکیم ربانی طبیب رحمانی کی اس دارِ فانی سے رحلت کے بعد اور اب بھی موجود باقی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں اور جو کوئی بصدق دل درود پڑھے یا آپ کے اسمائے گرامی پڑھ کر اپنے پر یا کسی دوسرے پر دم کرے، جملہ امراض و بلا، نظر بد، آسیب سے نجات پائے گا اور حق تعالیٰ شافی مطلق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس بیمار کو شفا عطا کرے گا؛ لیکن اس تاثیر کے واسطے طہارت ظاہری و باطنی، رزق حلال، صدق مقال درکار ہے اور جہاں یہ شرطیں مفقود ہیں، اثر بھی کم ہو گا، بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے مدد لینا چاہیے اور آپ کی ذات گرامی قدر سے امید شفا کیوں نہ لی جائے، آپ تو جملہ تعلقات دنیوی قطع کر کے ذات وحدہ سے مل گئی ہیں۔



وَاصِلٌ، مَوْصُوْلٌ

درگاہِ حق تعالیٰ میں پہنچنے والے، پیوستہ بحق سبحانہ۔

ماسوائے واجب تعالیٰ سے دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا اور خدائے تعالیٰ سے ظاہری جدائی یہ چند روزہ تھی اور یہ بھی بغرض تکمیل دین و ہدایت خلق اللہ کے واسطے تھا، جب حضور اس مہم عظیم سے فارغ ہو گئے، جانب مقصود اصلی کے رجوع کیا اور اس سے زیادہ اس خاکدان تیرہ رہنا پسند نہ فرمایا؛ کیونکہ حب وطن علامت ایمان کی ہے، اصلی وطن کا شوق اور مبدأ فیاض کی جانب پھر جانا ایمان والوں کا کام ہے، اسی واسطے جس شخص کے دل میں کمال ایمان نہیں ہوتا وہ اس وصال (موت) سے ڈرتا ہے خصوصاً جس کے مال وزر، متاع دنیوی بکثرت ہو، باغات،

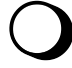
جائیداد وزمین، عمارات عالیشان، ہاتھی گھوڑے، ساز وسامان عیش دنیوی موجود ہو، وہ تو دنیا سے جانے کا نام نہیں لیتا، کسی کا قول ہے، فقیر کا مرنا اس کے واسطے باعث آرام ہے اور مالدار کی موت اس کے حق میں باعث حسرت ہے، اگر انسان کو فیض صحبت کاملان راہِ حق کی برکت سے یہ معلوم ہو جائے کہ:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ☆ ثبت اس بر جریدۂ عالم دوام ما

جس کا دل عشق الٰہی سے زندہ ہے وہ ہرگز نہیں مرتا، اور یہ امر یقینی طور سے ثابت ہے اور مولیٰ کی محبت اس کے دل میں پختہ و مستحکم ہو جائے، اور وہ بہشتی نعمتوں، حور وغلمان، شراب طہور، دیدار خدا کا مشتاق و آرزومند بن جائے تو اس دنیائے فانی سے برداشتہ خاطر ہوگا اور ہر وقت منتظر رہے گا کہ کس وقت پیغام اجل آئے اور میں اس قفس عنصری سے پرواز کروں؛ کیونکہ بغیر حیلہ موت کے دوست تک پہنچنا ممکن نہیں ہے، موت ایک پل ہے، کہ حبیب کو حبیب سے ملا دیتی ہے۔

بزرگانِ دین کا قول ہے اور ایسا شخص جو ہر وقت منتظر موت کا رہتا ہے، مرتے وقت اگر اس کے عزیز، دوست، اس کے فراق دائمی کے غم میں اشکبار ہوں تو یہ ان کو نصیحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ذرۂ آفتاب تک پہنچ جائے اور قطرہ دریا سے مل جائے تو کیا غم ہے اور یہ کون موقع رنج والم کا ہے اور اگر انسان نے دنیوی تعلقات کو قطع نہ کر دیا ہو اور بمضمون ''موتوا قبل ان تموتوا'' موت سے پہلے مر جاؤ، مرنے سے قبل نہ مر گیا ہو تو مرتے وقت اس کا مستقل رہنا اور موت سے نڈر و بے خوف رہنا دشوار ہے۔

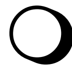
حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ مردہ زمین پر چلتا پھرتا دیکھے تو ابوبکر کو دیکھ لے؛ کیونکہ وہ واصلانِ درگاہِ الٰہی اور کاملانِ راہِ حق سے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واصل وموصول ہونا تو اس وقت ذہن نشیں ہوگا جب کہ آپ کو تمام مخلوق خدا پر یقیناً سابق جانے۔



سَابِقٌ

جملہ کائنات سے اول، یا مراتب کمال میں، سب پر سبقت لے جانے والے یا سب سے اول جنت میں داخل ہونے والے، یا رزم و بزم میں انبیائے کرام پر سبقت کرنے والے۔

کیونکہ آپ کی امت دوسروں کی امتوں سے زیادہ ہے، اور میدانِ جنگ میں آپ کا قدم شجاعانِ زمانہ سے پہلے جاتا ہے، یا سابقین اولین پر سبقت کرنے والے، ارشادِ نبوی ''میں سب مسلمانوں میں اول ہوں'' اس پر دال ہے، یا سیر نو آسمانوں میں فرشتوں پر سبقت لے گئے، الغرض آپ کو سبقت بچند وجوہ ثابت ہے اور آپ اسی کے سزاوار ہیں کہ عاجزوں کے دست گیر ہوں اور اپنی جماعت کو دارالقرار میں کھینچ کر پہنچا دیں۔



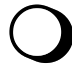
سَائِقٌ

مشتق ''ســـوق'' سے ہے، یعنی امت ناتواں کے آگے ہو کر ان کو جنت کی جانب کھینچنے والے اور اس طرح کسی کو کھینچنا دلیل زیادتی شفقت و رحم کی ہے، جیسے مہربان باپ اپنے عزیز بیٹے کو سیر کے واسطے اس طرح لے جاتا ہے یا نابینا کا لے جانے والا خود آگے ہوتا ہے اور اپنی لکڑی اس کے ہاتھ میں دیدیتا ہے اور یہ کھینچنا دنیا میں تو علم معرفت الٰہی کی طرف ہے اور عقبٰی میں بجانب روضۂ رضوان ہے؛ کیونکہ آپ تو بمنزلہ مہمانِ رحمٰن کے ہوں گے، آپ کی امت کو آپ کے طفیل میں قدر و عزت

حاصل ہو، اس واسطے کھینچ کر یا ہاتھ پکڑ کر لے جانا ہے۔

یا یہ غرض ہے کہ آپ کی امت کا کوئی مزاحم و مانع نہ ہو، یا یہ حکمت ہے کہ جب آپ آگے ہوں گے اور امت پیچھے تو آپ پیشوا و امام ہیں اور امت پیرو و مقتدی، اس طرح لے جانے میں امت قوی دل ہوگی کہ ہم اپنے امام کے پیچھے ہیں، جاننا چاہیے کہ جس طرح ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیشوا سمجھا درحقیقت ایسا ہی ہوا اور آپ کے پیرو ہونا ہمارے کام بھی آیا اور زمانہ میں ایسے لوگ کم ملیں گے کہ محنت و مصیبت کے وقت کام آئیں۔

بالخصوص قیامت کے روز کہ جس کی شان میں یہ آیت کریمہ وارد ہے "يَـوْمَ يَـفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَ اُمِّهٖ" تا آخر حاصل معنی یہ ہے کہ روزِ قیامت میں دوستی کا امتحان ہوگا وہ ایسا ہولناک دن ہے کہ اس دن انسان اپنے بھائی، ماں باپ، اپنی زوجہ لڑکوں کے پاس سے بھاگے گا، اس خیال سے کہ شاید یہ لوگ اس سے کسی طرح مدد چاہیں، ہر شخص کو اس دن بڑی فکر ہوگی جو دوستوں، عزیزوں کی طرف متوجہ ہونے سے روکے گی، اب اس دن آنحضرت صلی اللہ کی دوستی و محبت کو خیال کرو اور آپ کی رہنمائی بدل قبول کرو، یہ آپ کی عین محبت و شفقت ہے کہ یہاں بھی راہ بتا دی اور وہاں بھی مدد کو موجود۔



هَادٍ

خلق خدا کو معرفت خالق کی جانب اور اپنے طریقۂ پسندیدہ کی طرف ہدایت کرنے والے آپ کا طریقہ یہی شریعت حق اور سنت نبوی ہے۔

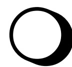
جاننا چاہیے کہ ہدایت تین قسم ہے: ایک زبانی، وعظ و نصیحت، دل پسند جس

میں آیاتِ قرآن واحادیث نبوی، اقوال مجتہدین، حکایات صالحین ہوں۔

دوسری ہدایت فعلی یعنی پہلے خود ہدایت کرنے والا اس کام کو کرے، پھر دوسروں کو ادھر بلائے، اس ہدایت کا بڑا ثواب ہے۔

تیسری ہدایت قلبی ہے یعنی دل کی قوت اور اس کی تاثیر سے ہدایت کرنا، اس کو توجہ وتصرف کہتے ہیں اور یہ ہدایت از قبل اعجاز وکرامت ہے اور بجز اس شخص کے جس نے راہِ نبوت میں قدم رکھا ہو یہ ہدایت ممکن نہیں اور یہ امر بخوبی روشن ہے کہ ان تینوں قسم کی ہدایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجہ کمال حاصل تھا کہ اس سے بڑھ کر وہم وخیال میں متصور نہیں۔

اہل تحقیق کے نزدیک ہدایت ایک آسمانی نور ہے کہ جس کے بدولت کفر وضلالت کی تاریکی اہل زمین کے دلوں سے دور ہو جاتی ہے، اس کی حقیقت وہی جانے جس کو خداوندتعالیٰ اپنی معرفت عنایت فرمائے، آیت کریمہ: ''یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَشَآءُ'' جس کو خدا چاہتا ہے اسی کو اپنے نور کی ہدایت کرتا ہے، اس پر شاہد ہے، بزرگانِ دین فرماتے ہیں، راہِ ہدایت اختیار کرنے والے کی مثال اس طرح ہے جیسے کہ ایک اندھا ہو اور اس کو کوئی لکڑی پکڑا کر راستہ چلائے، اندھا بے چارہ دیکھ نہیں سکتا اس کو خبر نہیں کہ راہ صاف ہے یا کہیں کنواں یا غار ہے، وہ تابع محض ہے، اگر اس کا ساتھی راہ سے واقف ہے تو خیر، اندھا منزل مقصود تک پہنچ رہے گا اور اگر ساتھی خود بے خبر ہے، سپید وسیاہ، خیر وشر میں امتیاز نہیں رکھتا تو خدا حافظ، اس صورت میں تا بمنزل مقصود پہنچنا خالی از تکلف نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہادی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلق خدا کی جانب ہدیہ وتحفہ ہیں؛ لہٰذا آپ نے ہدایت عالم میں کبھی کوتاہی نہ فرمائی۔



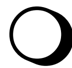
مُھْدیٰ

صیغہ اس مفعول ''اھــداء'' کا ہے، یعنی درگاہِ رب العزت سے امت مرحومہ کی جانب ہدایۃً بھیجے گئے۔

تاکہ لوگ اس متبرک ونفیس تحفہ کی قدر کریں، اور جانیں کہ ان کی خوش قسمتی سے چراغ روشن کنندہ عالم نے آسمانِ ہدایت پر طلوع کیا اور امت مرحومہ کی نجات کے لیے واسطے رحمت مجسم بنا کر بھیجا۔

حدیث شریف میں ہے ''میں رحمت ہوں'' کہ بطور ہدیہ کے ومن جانب خدا تمہارے پاس آیا ہوں اور یہ لفظ صیغہ اسم فاعل کا بھی ہوسکتا ہے یعنی ''مہدیٰ'' یعنی ہدیٰ (قربانی) مکہ معظّمہ کی طرف لے جانے والے یا بھیجنے والے یا یہ معنی ہیں کہ آپ ہدیۂ نیاز بدرگاہ بے نیاز بھیجتے ہیں؛ کیونکہ بارگاہِ عالیجاہ میں خاک عجز کا یہ مرتبہ وقدر ہے کہ اکسیر کی قیمت پر لیتے ہیں اور ایک سجدہ جو بکمال خشوع وخضوع ہو اس کے عوض درجات جنت حور وقصور عنایت فرماتے ہیں۔

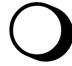
حدیث شریف ہے جس نے خدا کے واسطے تواضع اختیار کی خداوند تعالیٰ اس کو بلند کردیتا ہے اور چونکہ حق اول کا ہوتا ہے یعنی جو سب پر مقدم ہو، جس قدر ہدیے اور تحفے کہ خاصانِ خدا نے بارگاہِ الٰہی میں گذارنے ہیں ان سب میں اسی کا ہدیہ مقبول ہے جس کا نام نامی:



مُقَدَّمْ

ہے، آگے کیے گئے، پیش دست۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدم عالم ارواح، و عالم اجسام میں مسلم ہے اس عالم میں ابوالا رواح نام تھا اس عالم میں سردار نبی آدم ہیں، سچ ہے جس کو خدا عزت و قدر بخشے سب لوگ بھی اس کی حرمت کرتے ہیں اور سر آنکھوں پر بٹھاتے دل و جان میں جگہ دیتے ہیں اور سب کی نظروں میں:



عَزِیْزٌ

ہوتا ہے، کمیاب، قادر توانا۔

اور عزیز خداوند تعالیٰ کا بھی نام ہے، اگر آنحضرت کو عزیز مصر جان سمجھیں تو بجا ہے، آپ جہاں کے اور جملہ اہل جہان کی جان ہیں، اے بھائیو! اگر تمہاری قسمت میں سعادت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر ہو جاؤ، آپ کی آستان رسالت پر سر رکھو، پیروی شرع شریف کو موجب سعادت ابدی جانو، گروہ اہل سنت و جماعت میں داخل ہو اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رسالت سے منکر ہو کر پھر گئے، چاہ گمراہی میں گرفتار ہوئے اور قیامت میں غم واندوہ وحسرت کے پامال ہوں گے، اور ندامت وافسوس کے ساتھ کہیں گے، اے کاش ہم رسول کے ساتھ راہ چلتے، تو آج اس نوبت کو کیوں پہنچتے، دنیا کی دولت وحشمت ہرگز اس جہاں میں کچھ کام نہ آئے گی، بجائے اقسام نعمت الٰہی کے دوزخ کی پیپ ولہو، زقوم درخت ضریع، یہ ان کی غذا ہوگی، سرد پانی کے عوض کھولتا گرم پانی پئیں گے، جس کی گرمی سے انتڑیاں کٹ کٹ کر گر پڑیں گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دینے کو بھیجے گئے، ان کی امت نے بدنام کیا، ابن اللہ کہا، حق تعالیٰ

قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرے گا، اور فرمائے گا ”کیا تم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ خدا کے سوا تم کو اور تمہاری ماں کو خدا بنائیں“ حضرت عیسیٰ بکمال تضرع وزاری عرض کریں گے ”خداوندا اگر میں نے ایسا کہا ہے تو تو دانا و بینا علام الغیوب ہے، تو میرے جی کی بات جانتا ہے اور میں تیرے جی کی بات نہیں جان سکتا، میں بندہ مسکین تیری عنایت کا پروردہ، یتیم مادرزار، تیری ذات کی کنہ سے واقف نہیں۔

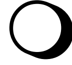
نسبت خفاش با عیسیٰ چو عیسیٰ با خداست ☆ می شود عیسیٰ خدا خفاش اگر عیسیٰ شود

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذات باری تعالیٰ سے وہ نسبت ہے جو چمگادر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یعنی جس طرح چمگادر حضرت عیسیٰ کی حقیقت جاننے سے بے بہرہ ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ دریافت کنہ باری تعالیٰ میں قاصر ہیں، بالفرض اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہو جائیں تو چمگادڑ عیسیٰ کے درجہ میں ہوگا۔

اے برادر عزیز! جب اہل کتاب کا تو یہ حال ہے تو جو لوگ باطل دین رکھتے ہیں ان کا کیا ذکر، ان کا قبلہ تو مخلوقاتِ الٰہی ہیں، خالق تک ان کے قاصر ذہن نہیں پہنچتے، ان کے معبودوں پر غور کرو اور دیکھو تو حیرت ہو، کسی کا معبود ستارہ ہے، ایک سانپ کی پرستش کرتا ہے، دوسرا گھر کے پتھروں پر سر جھکائے ہے، کوئی آگ جلا کر اس کی عبادت کرتا ہے، کسی نے سبزہ باغ کو اپنا خدا بنالیا، کوئی گنگا جمنا کا پانی پوجتے ہیں، کوئی چیل کوے کی عبادت میں سرگرم ہے، کسی کی گائے کی دھن ہے، کوئی مورتیاں تراش کر اپنے سامنے دھر کر ”ہر ہر“ بول رہا ہے، کوئی چاندی سونے کو معبود برحق مانتے ہوئے ہے، کسی کی ہمت بڑی تو فرج و ذکر کی پرستش کرنے لگا اور لنگ کی پوجا اپنا مذہبی شعار مقرر کیا۔

الغرض جتنے جھوٹے مذہب والے ہیں اسی طرح بہکے ہوئے ہیں، مگر خداوند تعالیٰ پاک و برتر ہے، شریکوں سے مبرا اور اس کی ذات ان صفات سے بھی پاک ہے

جو صفات کفار و مشرکین نابکار بیان کرتے ہیں، اور بے جا تاویلات کرتے ہیں کہ یہ چیزیں مظاہر الٰہی ہیں، مگر ذات باری تعالیٰ ان سب سے منزہ ہے، البتہ مظہر خاص الٰہی وہی شخص ہے جس کو:



فَاضِلٌ، مُفَضَّلٌ

کہیں، یعنی صاحب فضیلت و بزرگی۔

اور تمام انبیاء و مرسلین اور جملہ اولین و آخرین پر بزرگی دیے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے اسباب بہت ہیں، یہاں دو چار بطور تمثیل کے مذکور ہوتے ہیں، پہلا سبب یہ ہے کہ مقصود پیدائش مخلوقات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہے، صانع ازل نے صورت مبارک کو کمال خوبی و لطافت سے آراستہ کیا اور اقسامِ حکمت نے آپ کی ترکیب میں دخل پایا بعد تخلیق آپ کے باوجودیکہ دائرۂ قدرتِ الٰہی نہایت وسیع ہے خداوند تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آپ کا مثل عالم میں پایا جائے؛ کیونکہ عاشق و معشوق کے درمیان نسبت تناسب و توافق ضرور ہے اور نقاش کی خوبی اس میں ہے کہ اپنے محبوب کے چہرے میں ایسی نقاشی و دلفریبی عمل میں لائے کہ اپنے ہنر کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے اور جہاں تک صنعت و کاریگری کرتے بنے سب صرف کردے اور صاف صاف بزبان حال کہہ دے، ''اس سے بہتر نقش و نگار کسی اور میں نہ بناؤں گا؛ کیونکہ مجھ کو دوسرے سے کیا غرض و مطلب، میرا تو محبوب و مطلوب بس یہی ایک ہے''۔

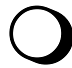
دوسرا سبب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خوبی سے ادب حاصل ہوا کہ یہی خوبی ادب آپ کی فضیلت کی باعث ہوگئی۔

تیسرا سبب: طہارتِ ظاہری و باطنی تو آپ کی فضیلت بڑھانے کا موجب ہوئی، جس کی وجہ سے درجات فضیلت میں ترقی بے انتہاء ہوتی گئی، آپ کی اور آپ کے یاروں کی فضیلت اسی کے دل میں خوبی کے ساتھ جلوہ گر ہوگی جس کا دل خباثت سے پاک غبارِ کینہ اپنے سینے سے نکال دیا ہو، اسی واسطے بزرگانِ دین کے نزدیک علامت سنت و جماعت حضرت ابوبکر و عمر کی تفضیل ہے اوران کا قول ہے کہ ”تفضیل الشیخین، و حب الختنین، و مسح الخفین“ یعنی حضرات شیخین کو افضل جاننا اور حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا، موزوں پر مسح کرنا سنی ہونے کا نشان ہے۔

مرد عارف اس تفضیل سے خوش و راضی ہے؛ کیونکہ قطع نظر درجہ صحبت وکسب فیض نبوی کے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنی اپنی لڑکیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دیدیں۔

اور وہ حدیث جس میں تین باپ کا ذکر ہے، سابق میں گذر چکی اس میں خسر کو باپ فرمایا ہے یہ کتنی بڑی شرافت ان دونوں صاحبوں کی ہے۔

اب رہی یہ حدیث جس کا میں دوست، علی بھی اس کے دوست ہیں، یہ منافی تفضیل شیخین نہیں ہے، اکر مرد دیندار صرف خسر ہونے کے بزرگی پر نظر کر کے جناب صدیق اکبر و فاروق اعظم کو دیکھے تو ان کی بزرگی کا قائل ہو جائے گا اوران کی تفضیل کو مان جائے گا، باقی توفیق یہ تو خدا کا کام ہے۔

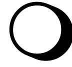


فَاتِحٌ، مِفْتَاحٌ، مِفْتَاحُ الرَّحْمَةِ، مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ

کھولنے والے، کنجی، رحمت کی کنجی، خزانہ مخفی کا دروازہ۔

آپ ہی کے سبب کھل گیا، آغاز پیدائش عالم آپ ہی کی ذات بابرکات سے ہے، دیگر فتوحات ملکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار کو ممالک عرب وعجم میں خدا کی مدد ونصرت سے ہوئے وقائع وغزوات دیکھنے سے ظاہر ہوتے ہیں، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشۂ ابرکو معرفت کی باریکیوں کی کنجی کہیں تو بجا ہے۔

مفتاح الرحمت اس لیے نام ہوا کہ آپ کے واسطے سے رحمت الٰہی تمام مخلوق کے شامل حال ہوئی، مفتاح بہشت اس واسطے ہیں کہ قیامت میں سب سے پہلے بہشت کے اندر داخل ہونے والے آپ ہی ہیں یا یہ وجہ ہے کہ جنت کی کنجی حضور ہی کی ذات مقدس ہے؛ کیونکہ آپ کے فرمان واجب الاذعان پر جو کوئی عمل کرے گا جنت کا دروازہ اس کے واسطے کھل جائے گا، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے، وضو نماز کی کنجی، اور نماز بہشت کی کنجی ہے، اگر کشائش کارہائے دشوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی برکت ہوئی تو تعجب ہی کیا، آپ تو:



عَلَمُ الإِیمَانِ، عَلَمُ الیَقِینِ

ہیں، نشانِ ایمان، نشانِ یقین۔

بیان اقسامِ ایمان

جاننا چاہیے کہ ایمان کے معنی گرویدہ ہونا، یہ دو قسم ہے: مجمل، مفصل۔

ایمان مجمل یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کو ماننا، کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو زبان سے ادا کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا، ایمان مفصل یہ ہے کہ خدا، فرشتے، آسمانی کتابیں، پیغمبران مرسل، تقدیر خیر وشر ان سب کو ماننا اور یقین کے معنی، کسی بات کو پکے طور

پراس طرح ماننا کہ شک بالکل اٹھ جائے، نفس الامر میں یقین درخت ایمان کا پھل ہے۔

اقسامِ یقین

عارفین کے نزدیک یقین تین قسم ہے: علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین۔

علم الیقین یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو بہ صفت جلال پہچانے "اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ آیَاتُہٗ فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا" جب ان پر خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے ایمان زیادہ ہوجاتے ہیں، اس آیت میں علم الیقین بیان فرمایا ہے۔

"وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ" ان کے دل ڈریں، "اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" یہ لوگ مومن برحق ہیں، یہ بھی صفت علم الیقین کی ہے اور عین الیقین کشف وشہود و مشاہد کو کہتے ہیں، سالک ظاہر الٰہی کو بچشم یقین دیکھے اور اشیاء موجودہ میں جمال خدا وندی مشاہدہ کرے۔

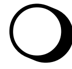
برگ درختان سبز درنظر ہوشیار ☆ ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

یہ سبز درختوں کے پتے مرد عارف حق بین کی نظر میں ایک ایک پتا معرفت الٰہی کا ایک دفتر ہے اور حق الیقین اس کا نام ہے کہ انتہائی درجہ یقین کا حاصل ہو کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ تصور میں نہ آئے، اس کے جیسا کہ امیر المؤمنین جناب علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ اگر پردہ اٹھادیا جائے تو میرا یقین نہ زیادہ ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ حقیقت یقین تک ایسا پہنچ گیا ہوں کہ اس سے زیادہ ترقی ممکن نہیں، جناب امیر المومنین علیؓ کے حالات میں ہے کہ جب آپ نماز کے واسطے وضو کرتے، آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا، بدن کانپنے لگتا، لوگوں نے سبب دریافت کیا، آپ نے جواب دیا، ایسی بڑی اور بھاری امانت جس کے اٹھانے سے

زمین وآسمان و پہاڑوں نے پہلوتہی کی، میں اس کو اٹھانے کے واسطے آمادہ رہتا ہوں، خوفِ جلالِ الٰہی مجھ پر اثر کرتا ہے، اس واسطے میری حالت متغیر ہوجاتی ہے، یہ مضمون بھی حق الیقین کی جانب اشارہ کرتا ہے؛ کیونکہ جناب امیر المومنین کو نورِ یقین علی وجہ الکمال حاصل تھا اور وہ کسی طرح مشاہدۂ حق سبحانہ سے حاجب وحائل نہ ہوتا تھا۔

حدیث شریف میں ہے اپنے خدا کی عبادت کر اس طرح کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، یہ امر بخوبی ظاہر ہے کہ نورِ ایمان بصفت کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلے سے مؤمنوں کے دلوں پر چمکا؛ کیونکہ آپ:



دَلِیْلُ الْخَیْرَاتِ

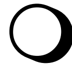
نیکیوں کی طرف دنیا وآخرت میں راہ دکھلانے والے ہیں۔

اور یہ صفت آپ کی مزید ثواب کی دلیل ہے؛ کیونکہ کارِ خیر کی دلالت کرنے والے کو بھی ثواب کا کام کرنے والے کا ملتا ہے اور اس کے اعمال نامہ میں نیکی کرنے والے کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے، بغیر اس کے کہ عامل کے ثواب سے کچھ کم کریں، اگر امورِ خیر کا بیان تفصیلی ہو تو ایک دفتر درکار ہے، مجملاً اس قدر ہے کہ خیرات منجملہ مکارمِ اخلاق ہے اور بحکم بہترین امور اوسط درجے کا کام ہے، ہر کام میں میانہ روی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا، جب میانہ روی کو چھوڑ کر ادھر یا ادھر جھکے تو ضرور افراط وتفریط لازم ہوگی۔

میانۂ طرفین از صفات چندانی — تفاوست کہ از آفتاب نہ بہ سہا
پس اختیار وسط راست در جمیع امور — بدان دلیل کہ خیر الامور اوسطھا

میانۂ امر، بیچ کی راہ اور وسط میں از بس خوبیاں ہیں اور اس میں اور طرفین میں اس قدر فرق ہے کہ جس قدر آفتاب اور ستارہ میں فرق بین ہے، اسی واسطے وسط و میانہ روی سب کاموں میں پسندیدہ ہے، اس دلیل سے کہ بہترین امور اوسط ہے اور بحکم حدیث شریف بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کا نفع رساں ہو۔

دلیل محکم اس دعویٰ کے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین انسان ہونا ثابت ہوا اور نیکیوں میں سب سے اول و مقدم توحید و معرفت الٰہی ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور آپ کی خوبی طریق کتاب وسنت سے معلوم ہوتی ہے، آیت کریمہ: "وَآمِنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ" تا آخر، ایمان لاؤ اس چیز پر (یعنی قرآن پاک) جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی اور آپ پروردگار عالم کی جانب سے حق اور سچے ہیں، گنہگاروں کے گناہ دور کرتے ہیں اور ان کے دلوں کی اصلاح کرتے ہیں، بزبان فصیح آپ کی شرافت و رہنمائی پر ناطق ہے اور جس کی یہ صفت ہے کہ نیکیوں کی رہنمائی کرے، نیکیوں کی درستی اور قابل اعتبار ہونا بھی اسی کی ذات پر موقوف ہے۔



مُصَحِّحُ الْحَسَنَاتِ

جملہ نیکیوں کی تصحیح کرنے والے۔

یعنی اعمال نامے بندگانِ الٰہی کے بغیر آپ کی تصدیق ونشانی کے بارگاہِ الٰہی میں قابل پیشی کے اور درجۂ قبولیت میں جگہ پانے والے نہ ہوں گے اور سند ان نیکیوں کی بلا منظوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطل سمجھی جائے گی۔

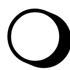
روایت ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جو کام نیک زمانہ جاہلیت میں کیے جیسے صدقات، خیرات، صلۂ رحمی، کیا ان کا ثواب بھی مجھ کو ملے گا، حضور نے ارشاد فرمایا: تم ان اعمالِ نیک پر ایمان لائے کہ جو زمانہ گذشتہ میں کیے ہیں، یعنی ان شاء اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کے ثواب سے محروم نہ رہو گے۔

جب یہ یقیناً معلوم ہو گیا کہ نیکیاں درجات بہشت میں پہنچنے کا سبب ہیں اور انہیں کی بدولت نعمات جنت نصیب ہوں گی اور جنت کی تعریف ہے کہ اس میں عورتیں خوبرو فرشتہ خو موجود ہیں، نیز بہشتوں میں حوریں خیموں کے اندر پردہ نشیں ہیں تو انسان کو چاہیے کہ اکثر اوقات بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا بکمال عجز والتجا کرتا رہے "رَبَّنَا آتِنَا فِيُ الدُّنُيَا حَسَنَةً وَّ فِيُ الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔

یہ دعا من جملہ ان دعاؤں کے ہے جو احادیث سے منقول ہیں اور بزرگانِ دین کا معمول ہے۔

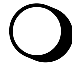
شیخ عبدالحق دہلویؒ آداب الصالحین میں اس دعا کے متعلق لکھتے ہیں، اس آیت پاک میں "حســـــنة" سے نیک عورت مراد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھ کو حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت دو وجہ سے ہے، ایک تو یہ ہے کہ ان کی بی بی ان کے گناہ کا سبب ہوئیں اور میری بی بی بیان عبادتِ الٰہی میں میری معین و مددگار ہیں، دوسرے یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا شیطان کافر تھا، اور میرا شیطان مسلمان ہو گیا، مسلمانوں کی نیکیوں کی تصحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے وابستہ ہے اور یہ کام بھی بحسن وخوبی آپ ہی انجام دیں گے؛ کیونکہ آپ:



مُقِيلُ الْعَثَرَاتِ، صَفُوحٌ عَنِ الزَّلَّاتِ

ہیں، یعنی بندوں کی لغزشوں سے در گذر کرنے والے، ان کی خطاؤں سے اعراض کرنے والے۔

ان صفات میں آپ کا کمال لفظ عفو کی شرح میں اپنی جگہ گذرا اور جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عاصیانِ امت کی بخشش کے درپے ہیں پھر اپنی امت کے ادنیٰ ادنیٰ گناہ خود اجازتِ الٰہی سے معاف کردیں تو بعید نہیں۔



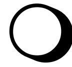
صَاحِبُ الشَّفَاعَةِ، صَاحِبُ الْمَقَامِ

گنہگاروں کے بخشانے والے، قیامت کے دن صاحب مقامِ محمود۔

آیت کریمہ: "عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً" قریب ہے کہ خداوند تعالیٰ آپ کو مقام محمود میں بھیجے گا، اسی طرف اشارہ ہے اور اس کا نام صاحب الشفاعیت میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطف ومہربانی خدا سے شفاعت کے مالک ہیں اور اس کے وقوع میں کوئی شک وشبہ نہیں، ہاں وہ شفاعت کہ جس میں اذن کی ضرورت ہوگی اور وہ محل نظر وغور ہے اور خدا کی مشیت پر موقوف ہے وہ شفاعت بت پرستوں کی ہے، اپنے بتوں سے مدد مانگنا اور ان کے حق میں کہنا کہ یہ ہمارے شفاعت کنندہ خدا کے نزدیک ہیں۔

جس وقت آیت کریمہ "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی" نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تو راضی نہ ہوں گا تاوقتیکہ میری امت میں سے ایک ایک کر کے سب نہ بخش دیئے جائیں، یہ حضور کا ناز تھا جو کہ درگاہِ بے نیاز

میں مقبول ہوا، محققین کے نزدیک شفاعت اس کا نام ہے کہ انوارِ رحمت الٰہی سے ایک نورِ تابان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لے گا اور اس کی روشنی سے تمام گنہگاروں کے گناہ کی ظلمت دور ہو جائے گی اور سب سے اول بروز قیامت باب شفاعت کے فاتح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، آپ کے بعد دیگر انبیاء کرام، اولیاء اللہ، قرآن شریف، نماز روزہ، شفاعت کریں گے، کفار نابکار شفاعت سے محروم رہیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن اپنے تابعین کی شفاعت اور ان کی مہمات سر انجام دینے میں نہایت مستعدی و سرگرمی ہوگی۔



صَاحِبُ الْقَدَمِ

ثابت و مستقل۔

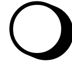
راہِ مولیٰ میں آپ کا قال مطابق حال تھا اور آپ کا دم و دعویٰ بے قدم نہ تھا۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم ☆ کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

طریقت میں قدم درکار ہے، خالی دم مارنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور دمِ بے قدم کی کچھ اصلیت نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طریقت میں مثل ان جھوٹے مدعیوں لاف زن کے نہ تھے کہ چند تصوف کی باتیں بال سے زیادہ باریک بنالیں اور لباس گندہ، کمل پہن مکاری کی وضع و قطع بن کر راہِ شریعت چھوڑ کر مدعی طریقت ہوئے اور کہنے لگے کہ عارفوں کی شرعی تکلیفیں اٹھانے سے کوئی مطلب نہیں، نماز دل سے پڑھنا چاہیے، اعضاء کو اٹھنے بیٹھنے کی تکلیف دینا بے کار ہے، ان کو آرام و راحت دو، صرف دل سے کام لو، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر نہیں، قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اگر کسی کے دل میں تواضع و انکساری ہے تو اس کے اعضاء، ہاتھ

پاؤں میں بھی تواضع پائی جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بندگیِ مولیٰ میں متواضع کیوں نہ ہوں، آپ کے اسماء شریفہ اور صفاتِ حمیدہ پسندیدہ تو یہ ہیں:



مَخُصُوصٌ بِالُعِزِّ، مَخُصُوصٌ بِالُمَجُدِ، مَخُصُوصٌ بِالشَّرَفِ

یعنی کمال عزت و بزرگی کے ساتھ مخصوص۔

کسی کو اگر چہ وہ نبی مرسل یا فرشتہ مقرب ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و کمال میں دخل و شرکت نہیں، اور آپ کو کمال عز و شرف اس واسطے مرحمت ہوا کہ بتائیدایزدی ایسے ہی بڑے بڑے کام آپنے کیے جن کی وجہ سے یہ سرفرازی ہوئی۔

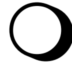
من جملہ ان کے بطور مشتے نمونہ از خروارے جز تحریر میں آئے ہیں، اس عالم شہود میں قدم رکھتے ہی زمین پر سجدہ کرتے ہوئے تشریف لائے، انگشت شہادت جانب آسمان اٹھائی، زمانہ شیر خوارگی میں اپنے رضاعی بھائی کی حق تلفی نہ فرمائی اور خود پستان چپ اختیار کی، پستان راست اپنے بھائی کے حصے میں رکھی اور رمضان مبارک میں تمام دن دودھ نوش نہ فرماتے۔

احتیاط ستر عورت میں اس درجہ تھی کہ اگر اتفاقاً کسی وقت کپڑا آپ کے ستر سے الگ ہو جاتا تو فرشتے درست کر دیتے یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چیخ اٹھتے تا کہ حلیمہ خاتون آپ کی دائی دودھ پلائے، کپڑے سے آپ کا بدن مبارک ڈھانک دیں، طہارت و پاکی کا خیال از بس تھا اور بچوں کی طرح آپ کا بستر پاخانہ و پیشاب

سے آلودہ نہ ہوتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ طفلی میں لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف نہ ہوتے اور ارشاد فرماتے ہم لہو ولعب کے واسطے نہیں پیدا ہوئے، لڑکپن کا تو یہ حال تھا اب احوال سِن تمیز و شباب کا کون کہہ سکتا ہے اور کس کی زبان ہے جو ادا کر سکے۔

جبکہ آپ کی بزرگی و رفعت شان کا پایۂ عرش کے برابر ہے تو آپ اسی لائق ہیں کہ بندگان ذات والا صفات کو اپنا وسیلہ بنائیں۔



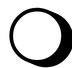
صَاحِبُ الْوَسِيْلَةِ

صاحب وسیلہ۔

حق تعالیٰ کے آگے کوئی وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کا مقابل نہیں ہوسکتا، پس لازم ہے کہ ہم ضعیف بندے ایسے شریف وسیلے کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں اور آپ کی بارگاہِ عظمت میں تحفہ درود بھیجیں اور پانچوں وقت اذان سن کر دعائے طلب وسیلہ حق جل شانہ مجیب الدعوات کی درگاہ میں کرتے رہیں۔

اللهم آت محمد ن الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته وارزقنا شفاعته۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلۂ جمیلہ اہل اسلام کو قوی دل و مطمئن کرتا ہے اور خطرۂ ظلم کفار نابکاران کے دلوں میں نہیں آنے پاتا؛ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:



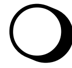
صَاحِبُ السَّیفِ

بھی ہیں، یعنی صاحب تلوار آبدار۔

قوت بازو اور شمشیر خونریز کی کاٹ سے اللہ کا کلمہ بلند کر دیا اور متعدد جہادوں میں دادِ شجاعت دی، ہمیشہ مظفر ومنصور رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ''ذوالفقار'' تھا، بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی تلوار حضرت شاہِ مردان شیر خدا علی مرتضیٰ کو ملی اور شجاعت علیؓ شمشیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بھی دو چند ہوگئی جیسا کہ مشہور ہے:

ع: لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار

جوانوں میں جوان مرد صرف حضرت علی ہی ہیں اور تلواروں میں ذوالفقار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرکۂ جنگ میں شہرت ونا موری ہونا اور بہادرانِ جنگ آور کی سرداری پانا کچھ جائے تعجب نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:

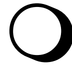


صَاحِبُ الْفَضِیلَۃِ

بھی ہیں، یعنی معرکۂ کارزار میں بڑے بڑے بہادر پہلوان قلعہ کشا، آئین جنگ وجدال، حرب وقتال میں آپ کی ایسی فضیلت نہیں رکھتے اور سات آسمانوں کے فرشتے حکم خدا سے آپ کی مددگاری میں رہتے تھے (بھلا یہ مرتبہ کس کا تھا) جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک زمین سے اٹھا کر لشکر کفار پر پھینک ماری، آپ کی ہیبت ورعب ان کے دلوں میں سما گیا، اور سب اندھے ہوگئے اور جن کی قسمت میں سعادت ابدی تھی، یہی خاک ان کی آنکھوں میں کحل الجواہر ہوگئی اور یہ

معجزہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں اس معجزہ کی خبر دیتا ہے "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" اسی کی جانب اشارہ ہے، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے کفار پر مشت خاک نہیں پھینکی لیکن در اصل یہ اللہ کا ہی کام تھا کہ وہ ہیبت زدہ ہوئے۔

ان فضائل و کمالات کا مستحق و سزاوار وہی شخص ہے جس کو وصف حیا کا کامل حصہ عطا ہوا ہو اور اپنے بدن کا ستر مناسب کرلے۔



صَاحِبُ الإزَارِ

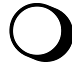
یعنی تہہ باندھنے والے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازار (تہبند) سے ستر عورت فرماتے تھے اور آپ کے اصحاب کبار نے بھی یہی وضع اختیار کی اور یہ نعت نبوی توریت میں بھی مذکور ہے۔ مضمون اس کا یہ ہے کہ "نبی آخر الزما کا ملک و حکومت شام میں ہوگی، وضع و لباس میں کمر پر تہبند باندھنا ان کی عادت ہوگی" یہ پوشش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں ہے، خداوند تعالیٰ نے آسمانی کتابوں میں اس کا ذکر فرمایا۔

اسی واسطے پیروان سنت و مشائخ طریقت، درویش تارک دنیا اکثر اوقات تہبند باندھا کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے سلا ہوا پائجامہ پہن کر فرمایا کہ یہ لباس بدن کے چھپانے میں خوب ہے، اس واسطے پائجامہ پہننا ہی مسنون ہے؛ لیکن چاہئے کہ پائجامہ شرع کے مطابق ہو، ٹخنے سے اوپر تک ہو، بہت تنگ نہ ہو، نماز میں اٹھنے بیٹھنے، سجدہ کرنے میں تکلیف نہ دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند مبارک ساڑھے چار گز لانبا اور ڈھائی فٹ چوڑا، لٹکاؤ میں آدھی پنڈلی تک پہنچتا تھا، اس سے زیادہ درازی ممنوع ہے اور حد افراط تک پہنچے تو حکم اسراف میں اور سبب دخولِ دوزخ ہے، عبا، کرتہ، آستین دامن کی درازی میں احتیاط درکار ہے، کہ قدر حاجت سے زائد نہ ہو اور اس زمانہ میں اہل عرب جیسی آستین بڑی رکھتے ہیں، یہ خلاف سنت ہے، در باب ستر عورت (شرمگاہ) و دیگر احکام شرعی جس درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اہتمام تھا اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اہل اسلام کے واسطے یہ طرز و روش حجت ہے، سب کو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

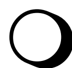


صَاحِبُ الْحُجَّةِ

صاحب برہان و دلیل روشن۔

انواعِ معجزات سے اپنی رسالت کو قوت دی اور دشمنانِ دین کو عاجز کیا اور خرق عادات و معجزات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عرش سے فرش خاک تک شق القمر (چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا) مشہور معجزہ ہے۔

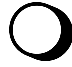
ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جناب امیر المؤمنین علی مرتضیٰؓ کے زانو پر سر رکھ کر نماز عصر کے بعد استراحت میں مشغول ہوئے، سورج ڈوبنے لگا اور حضرت علیؓ نے نماز عصر نہ پڑھی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج لوٹ آیا اور جناب امیر نے نماز عصر پڑھ لی، اس مالک و آقا سے جس کی حکومت عالم ملک وملکوت میں ہو، اس قسم کے خرق عادات کچھ عجب نہیں۔



صَاحِبُ السُّلطَانِ

صاحب قدرت وسلطنت۔

ایسے صاحب شوکت کہ شاہان روئے زمین ان کا غاشیہ اطاعت اپنی جانوں پر اٹھاتے ہیں، اور آپ کی اطاعت سے باہر نہیں ہوتے؛ کیونکہ آپ کی بادشاہی کو تائید الٰہی ہر وقت ہے اور آپ کی ہیبت بڑے بڑے گردن کش اور متکبروں کے دلوں میں جمی ہوئی ہے اور طرفہ ماجرا ہے کہ آپ دین و دنیا کے بادشاہ ہیں، مگر دنیوی کروفر، لشکر و سپاہ، ہاتھی گھوڑے، آپ کے ساتھ نہیں، جیغہ، کلفی، ماہی مراتب، زیورات مرصع، کرسی زرین، تخت طاؤسی، عمارت عالیشان، نقیب و دربان جو باتیں سلاطین کے لوازم ہیں ان میں سے ایک نہیں، بلکہ سلطان الانبیاء تاج فقر سر پر دھرے ہیں اور ایک چادر پوش بدن ہے۔



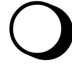
صَاحِبُ الرِّدَاءِ

صاحب چادر، یا چادر والے۔

درحقیقت رداء ایک کپڑا لانبا، چوڑا طیلسان کے مثل ہے اور طیلسان کو نامور بادشاہ سر سے اوڑھتے ہیں، یہ لفظ رداء حدیث قدسی میں بھی آیا ہے، اللہ جل شانہ فرماتا ہے، تکبر میری رداء ہے اور عظمت میری ازار (تہبند) ہے جو کوئی ان صفات میں میری ہمسری و برابری کرے گا میں اس کو اپنی آگ میں ڈال دوں گا، یعنی میرا قہر، غضب اس پر ٹوٹ پڑے گا۔

شرح سفر السعادت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر چھ گز لانبی اور تین گز ایک بالشت چوڑی تھی، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرم و حیا کی

چادراوڑھ لی لہٰذا آپ کودرجۂ بلند مرحمت ہوا۔

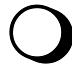


صَاحِبُ الدَّرَجَةِ الرَّفِيُعَةِ

بلند مرتبہ والے، یہ رفعت شان وعلو مکان خارج از حد خیال ہے۔

سیمرغ روح ہیچ کس از انبیاء نہ رفت ☆ آنجا کہ تو ببالِ کرامت پریدۂ

جس مقام تک آپ کو رسائی ہوئی کسی نبی کی روح اڑ کر نہ پہنچ سکی، جبکہ انتہائے سیر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم لامکان ہے، اس سے عالی اور بلند مکان تو اور ممکن نہیں، اور یہ مرتبہ اسی ذات کو زیبا ہے، جس کے سر پر تاج لولاک ہے۔

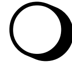


صَاحِبُ التَّاجِ

تاج والے، خداوند، تاج وافسر۔

تاج فقر کو حضور نے پسند فرمایا اور اسی کو عزت بخشی؛ کیونکہ گنج قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو خرچ کرنے سے ختم نہیں ہوتا، آپ نے قناعت اختیار کی اور دنیا کی دولت جو ناپائیدار وسریع الزوال ہے، اس کی جانب توجہ نہ فرمائی، آسمان وزمین کے خزانوں کی کنجیاں حضرت جبرئیل حضرت جبرئیل حضور کی خدمت میں لائے، مگر آپ نے واپس کیں، آپ نے عقل نورانی سے بخوبی معلوم کیا کہ مال وزر دنیوی کی محبت آدمی کو پائے مال کرتی ہے، غرور وغفلت اس دنیوی دولت کا ثمرہ ہے، اسی واسطے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال ودنیا جمع کرنے کا ارادہ نہ فرماتے اور جب مالِ غنیمت حضور میں آتا جب تک فقیروں، محتاجوں پر تقسیم کر کے صرف نہ کر دیتے، دولت خانہ

میں نہ تشریف لے جاتے، جو لوگ مردانِ راہِ خدا ہیں ان کو اسباب دنیا سے ہتھیار و آلات حرب و دولت عقبیٰ حاصل کرنے کو کافی ہیں۔

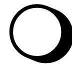


صَاحِبُ المِغْفَرِ

خود والے۔

خود سر پر رکھ کر معرکۂ جنگ میں جاتے ہیں تاکہ سر دشمن کے حربہ سے محفوظ رہے۔

قرآن پاک میں ہے ''اپنے ہاتھوں خود ہلاکت میں نہ پڑو'' خود سے ظاہراً حفاظت بھی ہے اور حکم الٰہی پر عمل بھی اور بے ہتھیار لگائے جوشن، خود پہنے دشمن کی فوج میں بلا خوف و خطر گھس جانا اس کا نام تہور ہے، تہور دائرۂ شجاعت سے باہر جانب افراط میں ہے جیسے: جبن، طرفِ تفریط ہے اور شجاعت ان دونوں کے وسط کا نام ہے اور اپنی حفاظت کرنا خلاف شجاعت نہیں۔

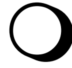


صَاحِبُ اللّوَاءِ

دنیا و دین میں علم والے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹا علم لشکر برنگ سیاہ تھا اور لوائے حضور کا سپید کپڑے کا تھا، اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مرقوم تھا، لواء بڑے علم و نشان لشکر کو کہتے ہیں، قیامت کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لواء الحمد عطا ہو ہوگا۔

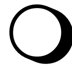
چنانچہ ارشاد نبوی ہے: آدم اور ان کے ماسواء سب میرے لواء الحمد کے زیر سایہ ہوں گے۔



صَاحِبُ الْمِعْرَاجِ

رات کو آسمانوں پر تشریف لے گئے۔

حق تعالیٰ سے ملاقات کی اور خداوند تعالیٰ کو اسی سر کی ظاہری آنکھوں سے دیکھا، صبح کے وقت جب حضور نے یہ قصہ بیان کیا، کفار عرب نے انکار کیا اور مسلمانوں کے درمیان سب سے اول جناب صدیقؓ نے تصدیق کی، اسی واسطے صدیق لقب پایا اور معراج کا قصہ کتب سیر میں مفصل مذکور ہے۔



صَاحِبُ الْقَضِيْبِ

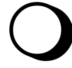
صاحب عصا، یا صاحب شمشیر۔

ہاتھ میں عصا رکھنا پیغمبروں کی عادت ہے؛ کیونکہ خلق کے پاسبان کو ادب دینے کی ضرورت ہوتی ہے؛ لہٰذا عصا رکھنا ضرور ہوا۔

اس زمانہ کے اکثر ہمارے بھائی چوب مسنون کو ترک کر کے طرح طرح کی چھڑیاں (بید وغیرہ) اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں جن کے رکھنے سے صرف ایک زیبائش دنیوی ہے۔

عصائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں ہے، حضرت موسیٰ کی زبانی قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''یہ لکڑی میرا عصا ہے، اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں، اس سے بکریاں ہانکتا ہوں اور اس سے میرے اور کام بھی نکلتے ہیں''۔

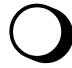
تفسیر بیضاوی میں ہے مراد اور کاموں سے یہ ہے کہ اس عصا سے افعال خرق عادات صادر ہوتے تھے، اندھیری رات میں دونوں سرے اس عصا کے مثل مشعل کے روشن ہو جاتے تھے، اگر کنویں سے پانی لینے کی ضرورت ہوتی وہ عصا اس وقت ڈول ہو جاتا اور جس قدر کنواں لانبا گہرا ہوتا یہ بھی اتنا ہی ہو جاتا، اگر عصا کو زمین پر مارتے تو اس سے پانی جاری ہوتا، کبھی حضرت موسیٰ میرے میوے کھانا چاہتے تو عصا کو زمین میں گاڑ دیتے فوراً حکم الٰہی سے درخت سبز ہو جاتا اور میوہ لاتا، درحقیقت یہ اس عصا کے خواص نہ تھے بلکہ خداوند عالم کا حکم تھا۔



صَاحِبُ البرَاقِ

براق والے۔

احادیث میں وارد ہے، براق کا چہرہ انسان کے چہرے جیسا تھا، بدن مثل گھوڑے کے، دم ہرن کی، پاؤں خچر کے، سینہ یاقوت سرخ کا پیٹھ موتی کی، اس کے دو بازو بھی تھے مرغ کے سے، ان کے ذریعہ سے ہوا میں اڑتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن براق پر سوار ہوں گی، اور ستر ہزار فرشتے ہمراہ رکاب نبوی ہوں گے۔

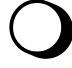


صَاحِبُ الْخَاتَمِ، صَاحِبُ الْعَلَامَةِ

صاحب مہر، صاحب نام ونشان۔

یہ مہر مہر نبوت ہے، آپ کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک ٹکڑا گوشت کبوتر کے انڈے کے برابر تھا، اس پر بقلم قدرت ''محمد رسول اللہ'' لکھا تھا، ایک نور اس سے

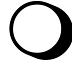
چمکتا تھا اور علامت سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان آپ کی لغت توریت وانجیل میں مذکور ہے۔



صَاحِبُ الْبُرْهَانِ

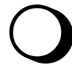
صاحب دلیل روشن۔

وہ دلیل قرآن مجید ہے جو آپ کے صدق رسالت پر گواہ ہے۔



صَاحِبُ الْبَيَانِ

کلام الٰہی کی تفسیر کرنے والے، اس کے مضامین ومطالب باریک حل کرنے والے، مسائل دین بیان کرنے والے۔



فَصِيحُ اللِّسَانِ

زبان آور خوش بیان۔

وصف فصاحت میں فصحائے عرب وعجم پر سبقت لے گئے۔

کلام فیض نظام ''عرب وعجم میں سب سے فصیح ہوں'' سے چار دانگ عالم میں آپ کی فصاحت کا شور برپا ہوا، جب آنحضرت باتیں کرتے، مضامین لطیف اور معانی شریف حضور کے روبرو دست بستہ کھڑے ہو جاتے، کلام مختصر یہ آپ کا اعجاز تھا، جوامع الکلم حضور کے خصائص سے ہے، جوامع الکلم سے وہ کلمات مراد ہیں کہ باوجود

اختصار کے مطالب کثیر پر حاوی ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مجھ کو جوامع الکلم دیئے گئے''۔

○

مُطَهِّرُ الْجِنَانِ

پاک دل، پاکیزہ باطن۔

جنان بمعنی دل، مراد پاکی دل سے ترک ما سوائے اللہ ہے، قرآن مجید میں ایسے دل کو قلب سلیم فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طہارت قلب پر یہ دلیل ہے کہ حضرت جبرئیل نے بفرمان رب جلیل عالم طفولیت میں سینہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چاک کر کے آلائش علاقۂ شیطانی سے اس کو پاک کیا، جیسا کہ یہ قصہ کتب سیر میں مسطور ہے۔

○

رَؤُوفٌ، رَحِيمٌ

امت پر مہربان، پیروانِ شریعت پر رحم کرنے والے۔

یہ دو صفت من جملہ اسمائے باری تعالیٰ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں، انہیں دو صفت کاملہ سے دریائے رحمت الٰہی و چشمۂ کرم جناب رسالت پناہی جوش مارتا ہے۔

○

اُذُنُ خَيْرٍ

خیر کے کان، یعنی خیر سننے والے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے:''وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ'' تا آخرت آیت یعنی بعضے منافقوں میں وہ ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول کان ہیں، اگر ان سے جھوٹی بات کہہ دو اور قسم کھالو یقین لے آتے ہیں، اور سچ مانتے ہیں، اے محمد! تم ان سے کہہ دو کہ آپ ان کی خوبی کے واسطے کان ہیں، اللہ پر یقین لائے اور ایمان والوں کی بات پر یقین لاتے ہیں، ان کو دروغ گو نہیں تصور کرتے، جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں۔

جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ منافقوں کی جھوٹی باتیں سن کر کچھ ان کی باتوں کی تردید نہ فرماتے اور نہ ان کو جھوٹا کہتے بلکہ جو وہ کہتے سن لیتے تھے، اس لیے کفار نابکار اپنی خام عقلی سے جانتے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بات نہیں سمجھتے، سیدھے سادے ہیں جو کہہ دیا مان گئے، حق تعالیٰ نے اس خیالِ منافقین و کفار کے دفع کرنے کو فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری باتیں نہیں سمجھتے، مگر ان کی عادت سے کہ کسی کے منہ پر اس کی بات نہیں الٹتے، اور یہ ان کی عادت تو تمہارے حق میں مفید ہے ورنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے منہ پر تمہارا نفاق ظاہر کر دیتے اور تم سزائے نفاق دنیا میں ہی پاتے۔

جاننا چاہیے کہ طالب حق کے واسطے صفت اذن خیر میں چند فائدے متصور ہیں:

پہلا فائدہ یہ ہے کہ آدمی دو باتیں سنے اور ایک کہے، یعنی ہر سنی بات کا بے تحقیق زبان پر لانا خوب نہیں۔

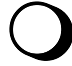
دوسرا: نیک ہی بات سنے، بری بات کے سننے سے پرہیز کرے۔

تیسرا فائدہ: جب جاہلوں، بدزبانوں سے کام پڑے تو اپنے کو بہرا بنالے اور یہ صفت پیغمبروں کی ہے۔

چوتھا یہ ہے کہ یہ قوت سماعت جو ایک عطیہ الٰہی ہے، اس کا شکر ادا کرے اور وہ

اس طرح ہے کہ کلامِ الٰہی وحدانیت ورسالت پناہی، علماء دین کا وعظ ونصیحت سنے، مگر وعظ انہیں علماء کا مؤثر ہوگا جن کی نیت بخیر ہے۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ جس طرح خودکلمہ خیر سنتا ہے، دوسروں کوبھی اپنا زبان سے بجز کلمۂ خیر کے اور بات نہ کہے اور چغلخوری وغیبت سے باز رہے۔



صَحِیحُ الإِسْلَامِ

صحیح ودرست اسلام والے، یا اسلام صحیح۔

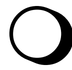
خود ذات شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی جاننا چاہیے، اسلام، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ادا کرنے کو کہتے ہیں، خانۂ اسلام انہیں چار رکن پر قائم ہے، علماء واقفین اسرارِ دین فرماتے ہیں کہ نماز، رہزنانِ دین وشیطانِ لعین کے واسطے حصار ہے، ان کے حملوں سے نمازی کومحفوظ رکھتی ہے اور روزہ بمنزلۂ سپر (ڈھال) کے ہے، زکاۃ مال آتش غضب الٰہی کے بجھانے میں پانی کا حکم رکھتی ہے، حج خانۂ کعبہ، زیارت حرمین شریفین سے گویا کہ خانۂ اسلام کی مرمت اور زینت وآراستگی ہوتی ہے۔

عادات واخلاق نیک واخلاق بد کا بیان

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور عالم نے ارشاد فرمایا: اسلام نے اخلاق وعادات نیک کا احاطہ کرلیا ہے اور اسلام میں سب باتیں اچھی ہیں، منجملہ ان کے اسلام ہی کی تعلیم ہے کہ اپنے دوستوں یاروں سے نیک برتاؤ رکھنا، اعمال نیک کا پابند ہونا، ہر کام میں نرمی وآسانی اختیار کرنا، بندگانِ خدا پر احسان کرنا،

محتاجوں، بھوکوں کو کھانا کھلانا، آپس میں ایک دوسرے کو ملتے جلتے سلام کرنا، بیماری کی عیادت کرنا چاہیے، وہ نیک کار ہو یا بدکار مسلمان ہو یا کافر مسلمان کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جانا، اپنے ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرنا، ہمسایہ مسلمان ہو یا کافر بوڑھے آدمی کی عزت و تعظیم کرنا، دعوت قبول کرنا، خود دعوت کرنا، اپنا قصور و خطا معاف کر دینا، دو آدمیوں میں صلح کرا دینا، سخاوت و کرم کی عادت، ہمت بلند رکھنا، سلام کرنے میں خود ابتداء کرنا، غصہ روکنا، یہ سب باتیں تو اچھی ہیں جو اسلام سکھلاتا ہے اور جو کام برے ہیں اور اسلام بھی ان سے منع کرتا ہے وہ یہ ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: دین و اسلام ان باتوں سے باطل ہو جاتا ہے یعنی اس کو سخت نقصان ہوتا ہے، بے ہودہ کھیل کود، گانا، بجانا، راگ سننا، مکر و فساد کرنا، جھوٹ، غیبت، بخل، تنگ دلی، ظلم و ستم، فریب دہی، دغا بازی، چغل خوری، میاں بی بی کے درمیان جدائی ڈال دینا، ناتہ داروں، عزیزوں سے سلوک نہ کرنا، بد خلقی، تکبر، فخر، کسی کی تعریف میں حد سے بڑھ جانا، کسی کو برا کہنا، گالی دینا، کینہ، حسد، طیش، غصہ، حاکم کی بغاوت اور عدول حکمی، بندگانِ خدا پر ستم کرنا، اے برادر! اگر بغور نگاہ کر کے دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ دفتر منجیات و مہلکات کی فہرست ہے اور ان کی تفصیل کیمیائے سعادت میں ہے، جس آقا و مالک نے خانۂ اسلام کو اس طرح آباد کیا کہ وہ بے شک دنیا کا سردار ہے۔



سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ

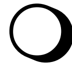
دو جہاں کے سردار و بادشاہ۔

ایسے بادشاہ کے برخلاف روشِ شاہانِ روئے زمین کے (جو کہ بوجہ غرور و

دولت کے خداوند عالم سے غافل ہو جاتے ہیں) اس دولت اسلام کی بنیاد ڈالی اور بخوف رعونت نفس شریر قصداً فقیری اختیار فرمائی اور دو جہاں کی بادشاہی حاصل کی۔

اگر آپ دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتے (جس طرح مکھی شہد میں پھنس جاتی ہے) کبھی یہ سعادت ابدی نہ حاصل ہوتی۔

روایت ہے کہ ایک ایک روز جناب صدیق اکبر نے پانی پینے کا طلب کیا، حاضرین میں سے کسی نے شہد کا شربت حاضر کیا، آپ نے پیالہ ہاتھ میں لے کر پینا چاہا، مگر دفعتاً شربت ملاحظہ کر کے رونے لگے، کسی نے پوچھا اے امیر المؤمنین، آپ کیوں روئے، فرمایا: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، حضور نے اپنے چاروں طرف ہاتھ گھمایا، جیسے کسی کو اشارہ بھاگنے کا فرما رہے ہوں، صحابہ نے عرض کیا، حضور یہ کیا کر رہے ہیں، ارشاد ہوا، دنیا چاروں طرف سے میری جانب آ رہی تھی میں اس کے کو اپنے گرد سے دفع کر دیا، پھر ابوبکر صدیق نے فرمایا: یارو! یہ شہد کا شربت دنیا کی لذیذ اشیاء میں سے ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زید یاد کر کے مجھ کو رونا آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی نعمتوں سے کچھ مطلب نہ تھا اور نہ کبھی ان کی تمنا کی؛ کیونکہ ذات والا صفات:



عَیْنُ النَّعِیْمِ

تھی، یعنی سر چشمۂ نعمت دینی۔

کیونکہ نعمت بہشت بریں اور نعمت دیدار رب العالمین سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے پاویں گے اور اسم نعمۃ اللہ اوپر گذرا اس کی شرح میں دیگر فضائل گذر چکے۔

عَيْنُ الغُرِّ

امتِ آنکھ۔

غر بمعنی امت ہے، اس صفت کا بیان بعینہٖ ''قائد الغر المحجلین'' کا بیان ہے۔

سَعْدُ اللّٰہِ، سَعْدُ الْخَلْقِ

برکت الٰہی، سعادت مخلوقات۔

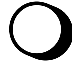
یعنی تمام موجودات حضور ہی کے فیض سے لباس وجود پہن کر جلوہ گر ہوئی اور قیامت کو دوبارہ زندگی ہوگی، ایماندار آپ کی شفاعت سے عذاب آخرت سے نجات پا کر سعادت ابدی حاصل کریں گے اور جنت کے باغوں کی سیر، اقسامِ نعمت حور و غلمان، عمارات عالیشان غرضیکہ جملہ اسباب عیش و آرام میں ہمیشہ رہیں گے۔

خَطِيْبُ الأُمَمِ

پچھلی امتوں کے واسطے خطبہ پڑھنے والے۔

اور یہ اشارہ ہے کہ آپ کی بدولت باب شفاعت کھل جائے گا جبکہ تمام انبیائے کرام نفسی نفسی کہیں گے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بندگانِ خدا کی فریاد کو پہنچ کر مقامِ محمود میں کھڑے ہو کر گنہگاروں کی مشکل حل کریں گے اور اس دن جس قدر صحرائے ہول خیز قیامت میں عاجز و درماندہ ہوں گے، کفار کے سوا سب کے سب

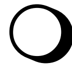
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے اپنی مرادیں پائیں گے۔



عَلَمُ الْهُدٰی

ہدایت کی علامت ونشان۔

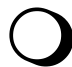
جس نے آپ کی اقتداء کی آپ کی سنت کی پیروی کی، سعادت دارین اس کے نصیبے میں ہوئی۔



كَاشِفُ الْكُرَبِ

دنیاوآخرت کے دردوغم، محنت ومصیبت، کربت، غربت کے دفع کرنے والے۔

دنیا میں حضور کے ناموں کا وردرکھنا، انواع بلیات وآفات، فقروفاقہ، تنگی، قلت روزی، تشویش فکر، قید بلا کی گرفتاری، خوف غلبہ ودشمن، آسیب، جن وپری، نظر بداور تمام سخت جسمانی امراض لاعلاج سے پناہ دیتا ہے اوراس جہاں میں سختی ہولِ محشر، عذابِ دوزخ سے نجات ہوگی، نیز مشائخ طریقت کے تجربہ سے معلوم ہوگیا ہے کہ تلاوت قرآن مجید کے بعد دلائل الخیرات کی روزمرہ تلاوت کرنا بڑی برکت ہے۔

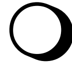


رَافِعُ الرَّاتِبِ

مرتبے بلند کرنے والے۔

یعنی نمازوں اور درودخوانوں کے درجے بڑھانے والے، بشرطیکہ یہ عادت

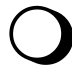
خالصاً للہ ہو، ریا و دیگر غرض کو اس میں دخل نہ ہو۔



عِزّ العَرَبِ

ملک یا قوم عرب کو عزت دینے والے۔

بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے، عرب کو عزت ہے، اور مشہور قول ''انا عرب بلا عین'' اگرچہ معنی کی رو سے اس کی صحت میں کلام ہے لیکن باعتبارِ صورت تاویلی معنی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ اپنی جگہ مذکور ہوا ہے، اور ان تکلفات کی ضرورت ہی کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر فضائل و کمالات کیا کم ہیں، آپ بہ مدد الٰہی دنیا و دین کی مشکلیں حل کرنے والے ہیں۔



صَاحِبُ الفَرَجِ

صاحب کشائش۔

بندوں کے الجھے اور پیچیدہ کام آپ کے ناخن تدبیر سے یا اعجاز و کرامت سے کھل جاتے ہیں اور بندگانِ الٰہی حضور کی کمال شفقت سے انواعِ محنت و مشقت سے نجات پائیں گے، قیامت کے دن بجز ذات گرامی مشکلوں کو حل کرنے والا کوئی نہیں، اور لفظ کاشف الکرب میں جو تقریر ہے وہی مطلب یہاں بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشور کار کے واسطے اپنی امت کو جانب فضیلت صبر کی دعوت کی اور فرمایا: صبر کشور کار کی کنجی ہے اور حق تعالیٰ بھی فرماتا ہے: ''نماز اور صبر کے ذریعہ سے مدد طلب کرو'' سب کام دنیا و دین کے اس سے بن جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان مصیبت کے وقت صبر کرے اور نماز میں مشغول ہو جائے۔

کتب سیر میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل پیش آتی یا کوئی فکر لاحق ہوتی تو نماز نفل میں مصروف ہوتے اور اپنے کو خدا کے سپرد کردیتے، بعض نسخوں میں بجائے اس نام مبارک کے ''صاحب المخرج'' ہے، یعنی آپ کریم الحسب، شریف النسب ہیں، یا یہ معنی کہ آپ کی ہجرت جائے مقدس سے جو کہ مکہ معظّمہ ہے، بجانب مدینہ منورہ واقع ہوئی، اپنے نبی محمد شفیع گنہگاران، امام پرہیزگاران پر اوران کی آل واولاد واصحاب پر تحفۂ درود نامعدود نازل فرما۔

تمت بالخير

حامدا و مصليا، اما بعد!

یہ کتاب مستطاب ''**خزينة البركات، ترجمه وسيلة النجات**'' بتاریخ ۱۳ / مارچ ۱۹۰۸ء، مطابق ۹ / صفر ۱۳۲۶ھ یوم جمعہ کو ختم ہوئی، خداوند تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے اور مترجم بے بضاعت مسکین بے تسکین گنہگار تر دامن امیدوار رحمت ایزد برحق ''حکیم مظہر الحق'' کو بروز محشر شفاعت اپنے حبیب پاک شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین کی نصیب فرمائے، خداوندا! میں سرتا پر بحر عصیاں میں غرق ہوں، اگر تیری رحمت اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت دستگیر ہو تو کیا عجب:

ع: شاہان چہ عجب گر بنوازند گدارا

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا و مو لانا و على آله و أصحابه و أزواجه و اهل بيته و عترته أجمعين إلى يوم الدين آمين يا رب العالمين۔

☆☆☆☆☆☆